علماء سے متعلق طرزِ تعامل

اعتدال کی راہ

مولانا محمد مثنیٰ حسّان

ادارۂ حطّین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علماء سے متعلق طرزِ تعامل

اعتدال کی راہ

علمائے کرام کا مقام واحترام

علمائے حق اور علمائے سوء میں وجہِ امتیاز

علمائے حق کی غلطیوں کی بابت درست تعامل

علمائے سوء سے متعلق دینی تعلیمات

مولانا محمد مثنیٰ حسّان

ادارۂ حطّین

فہرست

عرضِ مؤلف **6**

فصلِ اول: علمائے کرام کا مقام **10**

دینِ اسلام میں تعبیر و تشریح؛ علماء کا منصب ہے 10

قرآن و سنت کی تعبیر و تشریح 11

نئے پیش آمدہ مسائل کا حل 15

احیائے دین اور غلبۂ اسلام کی جدوجہد میں بنیادی کردار طبقۂ علماء کا ہے 19

مسلمانوں پر علمائے کرام کا احترام واجب ہے 21

فصلِ دوم: علماء کی زلات [غلطیاں] اور ان سے متعلق اسلامی تعلیمات **26**

علماء سے غلطی کا صدور، جسے 'زَلّۃ العالم' کہا جاتا ہے 26

زلۃ العالم کیسے متعین ہوتا ہے 27

اسلامی احکام میں صحت و صواب کا معیار 27

'زلّات' کی وجوہات 29

اول: اجتہاد کی غلطی 30

الف: لاعلمی 30

ب: اجتہاد میں تقصیر 30

ج: اجتہاد میں خطا 32

دوم: اصولِ اجتہاد میں غلطی 33

سوم: خواہش پرستی 34

چہارم: جبر واکراہ 35

اجتہادی اختلاف اور زلۃ العالم میں فرق 35

غلطیوں (زلّات) کے مرتکب علماء کے درجات 37
۱۔ علمائے حق 37
۲۔ علمائے ضلالت 38
۳۔ علمائے سوء 39
فصل سوم: علمائے حق کی غلطیوں کی بابت درست طرزِ عمل 42
اول: علماء کی غلطیوں کا تعین کرنا علماء ہی کا کام ہے 42
دوم: مسلمان غلطیوں میں علماء کی پیروی نہ کریں 43
سوم: علماء و عوامِ مسلمین غلطی کے مرتکب عالم کے ساتھ حسنِ ظن رکھیں 46
ظلم و جبر کے حالات میں رخصت پر عمل کرنے کا عذر 49
چہارم: غلطی کے مرتکب علماء کی دیگر مسائل میں پیروی کی جائے گی 50
فصل چہارم: علمائے سوء کی پہچان اور ان کے ساتھ تعامل کے اصول 51
علمائے حق اور علمائے سوء میں معیارِ 'امتیاز' 51
علمائے سوء کی صفات 53
بے دین حکمرانوں سے قربت 53
تنبیہ: صفت میں بھی مختلف درجات ہیں 56
دنیاداری [دنیا جمع کرنے کی ہوس] 56
عمل میں احکامِ دینیہ کی مخالفت اور فسق 58
علمائے سوء سے متعلق اسلامی تعلیمات 60
اول: علمائے سوء کا تعین کیسے ہو گا؟ 60
دوم: دینی احکام میں علمائے سوء کی آراء اور فتاویٰ کا کوئی اعتبار نہیں، اور ان سے فتویٰ لینا جائز نہیں 61
سوم: علمائے سوء کے کردارِ بد کو بیان کرنا اور مسلمانوں کو ان سے خبر دار کرنا واجب ہے 63
تنبیہ: برائی بیان کرنے [یعنی مباح غیبت] کی شرائط 66

اول: اخلاصِ نیت 66
دوم: معروف [شائستہ] الفاظ کا استعمال 67
سوم: بقدرِ ضرورت 69
چہارم: علمائے سوء کی غلط آراء کے مقابلے میں صحیح دینی احکام و نظریات کو مسلمانوں میں بیان کرنا 69
پنجم: علمائے سوء کے خلاف اقدامِ قتل آیا جائز ہے یا نہیں؟ 71
فصل پنجم: موجودہ دور میں غلبۂ اسلام کے لیے تحریکِ جہاد اور مخالف علماء کے مراتب........................ 74
عصرِ حاضر میں مسلمانوں کا بنیادی مسئلہ؛ اسلام کی مغلوبیت اور کفر کا غلبہ 74
مسلم ممالک کے طاغوتی 'لادین' حکمرانوں کی تائید اور جہاد کی مخالفت کے درجات....................75
شیخ محمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ 77
عام مسلمان کیا کریں؟ 78
علمائے حق کا منصب و کردار 79
علماء کو عزیمت پر عمل کرنا چاہیے 79
غلطی سے رجوع کرنا لازم ہے 83
مراجع و مصادر.. 88

عرضِ مؤلف

الحمد لله والصلاة والسلام علی رسول الله وعلی آله وصحبه ومن والاه، وبعد

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم جس دور میں جی رہے ہیں، وہ دورِ فتن ہے۔ بعثتِ محمدی ﷺ سے ساڑھے چودہ صدیوں کے فاصلے نے ہم میں تعلیماتِ اسلامی اور تہذیبِ اسلامی کو خاصہ پراگندہ کر دیا ہے۔ الحمد للہ عبادات کی بہت سی انواع زندہ ہیں، لیکن معاملات میں دینی تعلیمات عنقا ہو رہی ہیں۔ معیشت، معاشرت، عدالت، سیاست... تہذیب کے ہر ہی 'میدان' سے عالمی کفری سیادت کے زیرِ اثر اسلام بے دخل ہو چکا ہے۔

جس چیز نے ان صدیوں میں تہذیبِ اسلامی کو زندہ رکھا تھا، وہ تھا علمائے کرام کا کردار۔ اللہ تعالیٰ نے سابقہ ادیان و اقوام کے برخلاف دینِ اسلام اور امتِ محمدی ﷺ کے ساتھ خصوصی حفاظت کا انتظام فرمایا۔ دینِ عیسوی اور دینِ موسوی [علی صاحبهما الصلاة والسلام] کے ماننے والوں کی بربادی و گمراہی کا بنیادی سبب ان کے طبقۂ علماء کا من حیث المجموع بگڑنا تھا۔ اس نئی مغربی تہذیب نے جس ملبے پر اپنی بنیاد کھڑی کی، اس میں کلیسا کے کردارِ بد کی سڑاند ساری دنیا نے سونگھی۔ مشیتِ الٰہی یہی تھی۔ اس کے برعکس دینِ محمدی ﷺ ان صدیوں میں اس لیے محفوظ اور زندہ رہا کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں طبقۂ علماء کو زندہ رکھا، انھیں ہر بگاڑ سے محفوظ رکھا اور انھوں نے آگے مسلمانوں میں دین کے بگڑنے کی روک تھام کی۔ اس کی پیشین گوئی خود زبانِ نبوت سے ہو گئی تھی:

يحمل هذا العلم من كل خلف عدوله ينفون عنه تحريف الغالين ، وانتحال المبطلين ، وتأويل الجاهلين.[1]

"ہر آنے والی نسل کے دیانتدار لوگ اس علمِ دین کے حامل ہوں گے جو اس سے غلو کرنے والوں کی تحریف، باطل پرستوں کے دعوؤں اور جاہلوں کی بے جا تاویلات کی روک تھام کریں گے"۔

إن الله يبعث لهذه الأمة على رأس كل مائة سنة من يجدد لها دينها.[2]

"اللہ تعالیٰ ہر صدی میں ایسے لوگ پیدا کریں گے جو اس امت کے لیے دینِ اسلام کی تجدید کا کام کریں گے"۔

اس کا مطلب یہ بھی نہیں تھا کہ امتِ محمدی ﷺ کے علماء میں کبھی کوئی غلط فرد شامل نہیں ہوگا، جو لبادہ تو علمِ دین کا اوڑھے گا، مگر اس کی آڑ میں خواہشات کی پرستش اور دین میں بگاڑ پیدا کرے گا۔ اسی لیے جہاں امت کی تاریخ علمائے حق کے درخشاں کردار سے بھری پڑی ہے، وہاں نصیر طوسی و فیضی جیسے بھی دیکھنے کو مل جاتے ہیں جنھوں نے دین کو دنیوی خواہشات کے حصول کا ذریعہ بنایا اور دنیا داروں کی رضا میں احکامِ دین کو بدل ڈالا۔

آج کے دورِ فتن میں جہاں تمام مسلمانوں میں کوتاہی اور نقص پیدا ہوا ہے، وہاں طبقۂ علماء بھی متاثر ہوا ہے۔ جس امت میں غلط روی در آئی ہے، وہاں علماء بھی اسی امت کا حصہ ہیں، وہ بھی اس کا شکار ہوئے ہیں۔

اس وقت مسلمانوں کا سب سے بڑا مسئلہ اور اسلام کو درپیش سب سے بڑا چیلنج عالمی مغربی طاقتوں کی سیاسی و فکری یلغار ہے، ان کے آلہ کاروں کا مسلمانوں پر مسلط ہونا ہے اور ان کے نظامِ حکومت کا مسلمانوں پر حاکم ہونا ہے۔ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ مسلمانوں کے علماء میں سے بہت سے ایسے ہیں جو اس یلغار کے مقابلے سے عاجز ہیں، جبکہ ان کا فرض تھا کہ وہ اس کے بالمقابل کھڑے ہوتے اور مسلمانوں کا دفاع کرتے۔ ہر مسلم ملک میں سیکولر حکمرانوں، افواج اور سیکولر نظامِ حکومت کے حق میں متفقہ فتاوی اور بیانیے جاری کیے جا رہے ہیں اور

---

[1] مشكاة المصابيح؛ ص ٨٢ [كتاب العلم، الفصل الثاني]۔ مشکاۃ کے نسخوں میں اس کا حوالہ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کی 'المدخل إلی السنن' درج ہے۔

[2] سنن أبي داود؛ ج ٦، ص ٣٤٩ [كتاب الملاحم، باب ما يذكر في قرن المئة]

اس ملک کے سربر آوردہ علماء کے دستخط لیے جارہے ہیں۔ یہ صورتحال ہر دردِ دل رکھنے والے مسلمان کے لیے ناقابلِ برداشت ہے۔ تاہم اس کا مطلب یہ نہیں کہ کسی مسلمان کو روا ہے کہ وہ بلا تفریق پورے طبقۂ علماء کے خلاف صف بستہ ہو جائے اور کسی قسم کے آداب اور حدود کا پاس ولحاظ نہ رکھے۔

ان دنوں سوشل میڈیا پر جس طرح علماء کے لطیفے بنائے جارہے ہیں، مذاق اڑایا جارہا ہے، دینی شخصیات کو موضوعِ بحث بنایا ہوا ہے، یہ دوسری 'انتہا' ہے۔ سوشل میڈیا کے اسی 'ٹرینڈ' نے یہ تحریر لکھنے پر مجبور کیا۔ اس مخالفت میں تین قسم کے طبقات پائے جاتے ہیں۔

ایک طبقہ تو وہ ہے جو دینِ اسلام کو سیکولرزم کے سانچے میں ڈھالنا چاہتا ہے۔ اس کے نزدیک اسلام فقط ایک مذہب ہے جس طرح عیسائیت ویہودیت کے مذاہب ہیں۔ یہ طبقہ کبھی بھی علمائے اسلام سے مخلص نہ تھا۔ یہ جدید مغربیت کی رو میں بہتے ہوئے 'مارٹن لوتھر' کی اصلاحی تحریک اسلام میں بھی جاری کرنے کا خواہاں ہے اور احکامِ اسلام کی تعبیر کا حق اسلافِ امت اور علماء سے چھین کر ہر مسلمان کو دینے پر تلا ہوا ہے۔ یہ اسلام کو دینِ عیسوی اور علماء کو کلیسا سے مختلف نہیں دیکھتا۔ اس کی نظر اتنی قاصر ہے کہ اسے ان کے درمیان زمین وآسمان جیسا تفاوت نظر نہیں آتا۔ ایسوں کو تو موقع کی تلاش ہوتی ہے، جب بھی موقع میسر آیا، علماء کے خلاف اظہارِ رائے شروع، کیونکہ یہ طبقہ علماء کو ہی اپنے من پسند 'سیکولر' اسلام کی راہ میں حائل بنیادی رکاوٹ سمجھتا ہے۔ علماء کی مخالفت میں نہ ان کی بنیاد دین ہے اور نہ اسباب دینی، بلکہ محض استہزاء واستحقار ان کا مقصود ہے۔ ہمیں سرِ دست ان سے مخاطب نہیں ہونا، کیونکہ ان کی اصل ہی غلط ہے، جس کی درستی الگ موضوع ہے۔

دوسرا طبقہ وہ ہے جو اسلام سے اور غلبۂ اسلام سے مخلص ہے، لیکن کسی درجے میں جدیدیت نے ان میں علماء کا مقام گھٹا دیا ہے۔ یہ اپنی بنیاد میں تو علمائے اسلام کا مخالف نہیں ہے، لیکن جدید تعلیم کے زیرِ اثر دین کی تعبیر وتشریح میں 'صرف' علماء کی پیروی کرنے کو 'جمود' سے تعبیر کرتا ہے۔ یہ طبقہ اپنی بساط بھر خود دین کی تعلیمات جاننے کی کوشش کرتا ہے اور جو مسائل اور جو دلائل کسی کی عقل کو متاثر کر جاتے ہیں تو انھی کو دین کی صحیح تعلیمات تصور کرلیتا ہے، چاہے وہ جمہور علمائے امت، اہل السنۃ والجماعۃ اور جمہورِ مسلمین کے خلاف ہی کیوں نہ ہوں۔ گویا اس طبقے کے نزدیک دینِ اسلام کی بنیادیں درست، اس کے غلبے کی جدوجہد درست، مگر اس

میں علماء کا کردار بہت 'معمولی' ہے۔ بلکہ یہ طبقہ امت میں در آنے والے 'جمود' کے اسباب میں سے بنیادی سبب خود علماء کو گردانتا ہے، اور یہی 'جمود' اس طبقے کے نزدیک اس دور میں زوال کا سبب ہے۔ اس 'جمود' کو توڑنے کے لیے وہ اکثر علماء کی مخالفت کرتا نظر آتا ہے۔

تیسرا طبقہ وہ ہے... جو ان سب میں تعداد کے لحاظ سے بڑا ہے... جو اسلام کو دنیا میں غالب دیکھنا چاہتا ہے اور مسلمانوں کے عروج کا خواہاں ہے، اور علماء کا حق بھی جانتا ہے، لیکن جب وہ دیکھتا ہے کہ معاشرے میں موجود علماء کی بڑی تعداد غلبۂ اسلام کی جدوجہد سے کنارہ کش ہے، الٹا بعض حضرات اس کے خلاف رویہ اپنائے ہوئے ہیں تو وہ دینی حمیت و غیرت کے جذبے کے تحت علماء کی مخالفت پر کمر بستہ ہو گیا ہے۔

آخر الذکر دونوں طبقات سے تعلق رکھنے والے مخلصین سے اس مضمون میں چند گزارشات کرنے کا ارادہ تھا۔ جب لکھنے بیٹھا تو ایک مضمون بندھ گیا۔ اللہ تعالیٰ اسے خود بندے اور تمام اردو خواں مسلمانوں کے لیے نافع بنائیں، آمین۔ اس تحریر میں جو خیر ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی توفیق ہے اور اس میں جو غلطی ہے تو وہ بندے کی طرف سے ہے۔ اللہ تعالیٰ بندے کی تمام خطاؤں سے درگذر فرمائیں اور اسے 'زَلَّات' سے محفوظ رکھیں، آمین۔

تمام قارئین سے گزارش ہے کہ اس تحریر کو پڑھتے ہوئے ضرور بندے کے حق میں دعا کے لیے ہاتھ اٹھائیں کہ اللہ تعالیٰ اسے ہدایت پر قائم رکھیں اور غلطیوں اور گمراہیوں سے بچائیں، آمین۔ بندہ آپ سب کا احسان مند ہو گا۔

اللہ تعالیٰ خیر کی بات کرنے کی توفیق عطا فرمائیں، خود ہمارے حق میں اور ہم سے دوسرے انسانوں کے لیے خیر کو مقدر فرمائیں، آمین۔

إن أريد إلا الإصلاح ما استطعت وما توفيقي إلا بالله عليه توكلت وإليه أنيب.

محب العلماء والمجاہدین

۵ جمادی الثانیہ ۱۴۴۰ھ

[ارضِ ہجرت]

فصلِ اول: علمائے کرام کا مقام

دینِ اسلام میں تعبیر و تشریح؛ علماء کا منصب ہے

اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی محمد ﷺ کے ہاتھ پر اپنا دین 'اسلام' کامل صورت میں اتارا۔ اور اسلام کی بنیاد، محور اور اصل کے طور پر اپنا کلام 'قرآنِ مجید' انسانوں میں نازل فرمایا اور اپنے پیارے نبی ﷺ کو قرآنِ مجید کے علاوہ بھی وحی فرمائی جو پیارے نبی ﷺ کی 'سنت' کی صورت میں وجود پذیر ہوئی۔

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى. اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى﴾ [النجم: ۳،۴]

جہاں خاتم لنبیین ﷺ نے انسانوں کو قرآنِ مجید پہنچایا، وہیں اس کی تعلیم بھی دی، تفسیر بھی دی، اور دیگر احکامات جو قرآنِ مجید میں نہیں تھے، وہ بھی بتلائے۔ اسی کو اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں تعلیمِ کتاب و حکمت کہا اور اسے نبوی فریضہ بتلایا۔ آپ ﷺ کی زندگی میں مسلمانوں کو جو بھی معاملہ پیش آتا، وہ آپ ﷺ سے آکر دریافت کر لیتے اور آپ ﷺ انھیں اللہ کے احکامات بتلا دیتے۔ یوں آپ ﷺ کی زندگی میں ہی قرآنِ مجید کے ساتھ ساتھ نبوی تعلیمات... جسے ہم 'سنت' کہتے ہیں اور جو ذخیرۂ احادیث کی شکل میں محفوظ ہوئی... بھی دینِ اسلام کی بنیاد بنیں۔

یوں اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید اور سنتِ حبیب ﷺ دونوں کو اصلِ دین قرار دیا۔ جو کچھ ان میں ہے، وہی الٰہی تعلیمات ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی رحلت کے بعد اب کوئی شریعت ساز نہیں ہو سکتا، کوئی قانون ساز نہیں ہو سکتا۔ کسی انسان یا ادارے کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ اپنی طرف سے کوئی الہامی حکم ایجاد کر لے، تشریع [شریعت سازی] کا کام شروع کر دے۔ جیسا کہ مغرب میں عیسائی اقتدار کے دوران کلیسا کے پادریوں نے یہ

حق اپنے لیے مقرر کرلیا تھا، یا روافض اپنے ائمہ وفقہاء کے لیے ثابت کرتے ہیں، یا آج کے 'سیکولر' مطلق قانون سازی کا حق مقننہ [انسانوں پر مشتمل ادارے] کے لیے ثابت کرتے ہیں۔

البتہ خاتم النبیین ﷺ کی رحلت کے بعد دینی تعلیمات کی بابت دو طرح کے معاملات باقی تھے:

- ایک قرآن وسنت کی تعبیر وتشریح [interpretation] میں اختلاف کا آنا یا کہیں ابہام کا پایا جانا۔
- دوسرا معاملہ ان نئے پیش آمدہ مسائل کا حل، جو آئندہ آنے والے ادوار میں انسانی تہذیب وتمدن کی ترقی کے نتیجے میں پیدا ہوں۔

اب چونکہ اسلام کسی ایسی ویسی ذات کا عطا کردہ نہیں، بلکہ خالقِ کائنات، رب السماوات والارض کا عطا کردہ دین ہے، جس ذات سے کوئی شے مخفی نہیں، جس کا علم تمام مصالح ومفاسد کو محیط ہے، اس نے ان دونوں معاملات کا انتظام نبوی دور میں ہی کر دیا، اس سے متعلق رہنمائی بھی فرمادی اور انسانوں کو اٹکل پچو لڑانے سے محفوظ رکھا۔

قرآن وسنت کی تعبیر وتشریح

پہلے معاملے میں رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب کی ایک ایسی جماعت تیار فرمادی جو قرآن وسنت کی تعبیر وتشریح جانتے تھے، جنھیں رسول اللہ ﷺ کی طرف سے قرآن وسنت کی نصوص کے ساتھ ساتھ ان کے معانی ومفاہیم بھی سکھائے گئے تھے۔ یہ علماء صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے۔ قرآن وسنت نے یہ بتلادیا کہ قرآن وسنت کی تعبیر وتشریح میں جہاں مشکل پیش آئے[3] تو اس کا طریقہ یہ نہیں کہ ہر مسلمان اپنے فہم سے اس کے معانی ومفہوم طے کرلے اور اس پر کاربند ہوجائے۔ بلکہ اس کی تعبیر وتشریح میں وہی لوگ معیار ہیں جو قرآن وسنت کے علم سے بہرہ ور ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے بھی ہر ایک از خود یہ کام نہیں کرتا تھا، بلکہ جو علماء تھے، انھی کی طرف رجوع کرتا تھا۔

---

[3] یہ درست ہے کہ قرآن وسنت کی تمام نصوص ایسی نہیں ہیں جن میں ابہام یا اجمال پایا جاتا ہے، بلکہ بہت سی نصوص واضح دوٹوک ہیں جنھیں ہر مسلمان پڑھ کر سمجھ سکتا ہے، جیسے وہ آیات جن میں توحید، رسالت، آخرت اور اخلاقیات کی تعلیم ہے، لیکن عملی احکام سے متعلق بیشتر نصوص ایسی ہیں جو عام فہم نہیں ہیں اور کوئی مسلمان محض پڑھ لینے سے از خود نہیں سمجھ سکتا اور نہ ہی اس کے معانی متعین کر سکتا ہے۔

قرآن میں کئی آیات اس بات کو بیان کرتی ہیں جن میں چند درج ذیل ہیں:

﴿فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ﴾ [التوبة:۱۲۲]

"پس ایسا کیوں نہ ہو کہ ان میں کی ہر بڑی جماعت میں سے ایک گروہ (جہاد کے لیے) نکلا کرے، تاکہ (جو لوگ جہاد میں نہ گئے ہوں) وہ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرنے کے لیے محنت کریں، اور جب ان کی قوم کے لوگ (جو جہاد میں گئے ہیں) ان کے پاس واپس آئیں، تو یہ ان کو متنبہ کریں، تاکہ وہ (گناہوں سے) بچ کر رہیں"۔

یہ آیت جہاد کے سیاق میں وارد ہوئی ہے، تاہم اس میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ کچھ لوگ جب جہاد میں نکلیں تو کچھ لوگ پیچھے تحصیلِ علم میں مشغول ہوں، تاکہ جب لوگ ان کی طرف لوٹیں تو یہ علماء انھیں دین سکھائیں۔[4] اس آیت کی ایک تفسیر یہ بھی منقول ہے کہ یہاں نکلنے والوں سے مراد علم کے لیے نکلنے والے ہیں جو واپس پہنچ کر بستی والوں کو دین سکھائیں۔

﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ [النحل:۴۳]

"اور (اے پیغمبر!) ہم نے تم سے پہلے بھی کسی اور کو نہیں، انسانوں ہی کو پیغمبر بنا کر بھیجا تھا جن پر ہم وحی نازل کرتے تھے۔ اب (اے لوگو!) اگر تمہیں علم نہیں ہے تو جو علم والے ہیں ان سے پوچھ لو"۔

[4] واضح رہے کہ اس آیت سے علماء نے جہاد کا عام حالات میں فرضِ کفایہ ہونا مستنبط کیا ہے کیونکہ سب لوگوں کو اللہ نے جہاد پر نکلنے کا نہیں فرمایا۔ جہاد کا یہ حکم عام حالات میں ہے، لیکن بعض مخصوص حالات میں جہاد فرضِ عین ہو جاتا ہے جیسا کہ غزوہ تبوک سے متعلق سورہ توبہ کی آیات میں بیان ہوا ہے۔ پس فرضِ عین جہاد کی حالت میں تمام مسلمانوں پر جہاد کے لیے نکلنا لازم ہوتا ہے، ایسے میں تحصیلِ علم کے عذر سے جہاد سے پیچھے رہ جانا جائز نہیں رہتا۔

اس آیت میں واضح حکم فرمایا کہ جب کسی بات کا علم نہ ہو تو علم والوں سے دریافت کرو۔ یہ بات فطرت اور عقل کا بھی تقاضا ہے کہ اگر کوئی شخص ایک بات نہ جانتا ہو تو جو شخص جانتا ہو، اس سے دریافت کرے۔ جب دنیوی معاملات میں بھی یہ اصول کار فرما ہے تو دینی معاملات میں بدرجہ اولیٰ ہونا چاہیے، کیونکہ یہاں تو اللہ کی اطاعت کا معاملہ ہے۔ پس جو لوگ قرآن وسنت کا علم حاصل کرتے ہیں اور اس میں مہارت حاصل کرتے ہیں، انھی سے قرآن وسنت کے مسائل معلوم کرنا لازم ہے۔

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ﴾[النساء:٥٩]

”اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی بھی اطاعت کرو اور تم میں سے جو لوگ صاحبِ اختیار (اولو الامر) ہوں ان کی بھی“۔

اس آیت میں اللہ ورسول کی اطاعت کے ساتھ اولو الامر کی اطاعت بھی واجب کی ہے۔ اولو الامر میں جہاں انتظامی امور میں امراء وحکام مراد ہیں، وہاں دینی وشرعی امور میں علماء مراد ہیں۔

خود رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے اپنے اصحاب رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ کو یہی حکم فرمایا۔ مسند احمد کی روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ کسی آیتِ قرآنی کے حوالے سے رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے دروازے کے پاس صحابہ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ کی مجلس میں بحث ہوئی اور آوازیں بلند ہو گئیں، تو رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ یہ سن کر گھر سے نکلے، چہرہ مبارک سرخ ہو گیا، ہاتھ میں مٹی اٹھا کر ان کی طرف پھینکی اور غصے میں فرمایا:

مهلا يا قوم، بهذا أهلكت الأمم من قبلكم باختلافهم على أنبيائهم، وضربهم الكتب بعضها ببعض، إن القرآن لم ينزل يكذب بعضه بعضا، بل يصدّق بعضه بعضا، فما عرفتم منه فاعملوا به، وما جهلتم منه فردوه إلى عالمه.[5]

”خبردار اے قوم! تم سے پہلے والے اسی سبب سے ہلاک ہوئے کہ انھوں نے اپنے انبیاء کی باتوں میں اختلاف کیا اور ان کی کتب کے بعض احکام کو بعض دوسرے احکام سے ٹکرایا۔ جان لو کہ قرآن اس لیے نازل نہیں ہوا کہ اس کی بعض آیات بعض دوسری آیات کو جھٹلاتی ہوں، بلکہ یہ آیات دوسری

[5] مسند أحمد؛ ج ١١، ص ٣٠٣ [مسند عبد الله بن عمرو بن العاص رضي الله عنه]

آیات کی تصدیق کرنے والی ہیں۔ پس تم قرآن میں
سے جو بات سمجھ لو، اس پر عمل کرو، اور جو بات تم
سے مخفی رہے تو اسے قرآن کے 'عالم' سے دریافت
کرو"۔

صحابہ کرام □ کا بھی یہی معاملہ تھا کہ وہ اہلِ علم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مسائلِ دین پوچھا کرتے تھے۔ صحیح مسلم میں روایت آتی ہے کہ ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بھانجے سیدنا عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ 'سنا ہے سیدنا عبد اللہ بن عمرو بن العاص □ ہمارے یہاں سے حج کے لیے جا رہے ہیں، تم ان کے پاس جاؤ اور ان سے مسائل پوچھو کیونکہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت سا علم حاصل کیا ہے'۔[6]

مسند احمد کی روایت میں ہے کہ ابو مسلم خولانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں حمص کی ایک مسجد میں داخل ہوا تو دیکھا کہ تیس کے قریب ادھیڑ عمر کے صحابہ موجود ہیں، جب کسی مسئلے میں ان میں اختلافِ رائے ہوتا ہے تو اس کا فیصلہ سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے کراتے ہیں۔[7]

مستدرک کی روایت میں آیا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک خطبہ دیا جس میں اس وقت کے مسلمانوں سے فرمایا کہ جو کوئی قرآن کے مسائل جاننا چاہتا ہے تو سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے پاس جائے، فرائض کے احکام کے لیے سیدنا زید بن ثابت □ کے پاس جائے اور حلال و حرام کے احکام سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کرے۔[8]

اور ایسا سیدنا عمر □ نے اس لیے فرمایا ہو گا کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تینوں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق یہ گواہی دی تھی کہ یہ ان علوم کے ماہر ہیں، جیسا کہ مسند احمد کی روایت میں ہے۔[9]

---

[6] صحيح مسلم؛ ص ١٢٣٣ [كتاب العلم؛ باب رفع العلم وقبضه]

[7] مسند أحمد؛ ج ٣٦، ص ٣٩٩ [حديث معاذ بن جبل رضي الله عنه]

[8] المستدرك على الصحيحين؛ ج ٣، ص ٢٧١ [كتاب معرفة الصحابة؛ ذكر مناقب أحد الفقهاء الستة من الصحابة معاذ بن جبل رضي الله عنه]، مجمع الزوائد؛ ج ٢، ص ٣٠٧ [كتاب العلم؛ باب أخذ كل علم من أهله]

[9] دیکھیے: مسند أحمد؛ ج ٢٠، ص ٢٥٢ [مسند أنس بن مالك رضي الله عنه]

پس مسلمانوں میں سے قرآن و سنت کے متخصص علماء ہی قرآن و سنت کی تعبیر و تشریح کا حق رکھتے ہیں اور احکامِ دینیہ کے بیان کرنے میں معتبر ہیں۔ اس کی دلیل رسول اللہ ﷺ کا وہ فرمانِ مبارک بھی ہے جس میں علماء کو انبیاء کا وارث بتلایا گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إن العلماء ورثة الأنبياء، إن الأنبياء لم يورثوا دينارا ولا درهما إنما ورثوا العلم، فمن أخذ به أخذ بحظ وافر.[10]

"بے شک علماء ہی انبیاء کے وارث ہیں، انبیاء ورثے میں درہم و دینار نہیں چھوڑتے، بلکہ علم چھوڑتے ہیں۔ پس جس کسی نے علم حاصل کیا، گویا اس نے خیر کا بہت سا حصہ پالیا"۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انبیاء جہاں وحی کے لانے میں حجت ہیں، وہاں وحی کے علم کی تعبیر و تشریح میں علماء معتبر ہیں۔ جیسے انبیاء کے زمانے میں انبیاء دین کے بتانے والے ہوتے ہیں، ویسے انبیاء کے بعد اور خاتم النبیین ﷺ کے بعد تا قیامت علمائے اسلام دین کے مسائل بتانے والے ہیں، اور قرآن و سنت کی تعبیر و تشریح میں معتبر ہیں۔ اسی سلسلے میں صحابہ کرام، تابعین وائمہ مجتہدین میں سے علمائے کرام نے دین کے احکامات امت سے بیان کیے اور امت نے ان مسائلِ دینیہ کو مدون کیا۔ پھر پوری تاریخ میں مسلمان انھی کے مطابق عمل پیرا رہے۔

نئے پیش آمدہ مسائل کا حل

اللہ تعالیٰ کی مشیت میں دنیا نے قیامت تک کا سفر طے کرنا تھا اور خاتم النبیین ﷺ کے بعد کتنی ہی صدیاں گزرنی تھیں، جن میں انسانی تہذیب و تمدن کی ترقی اور نت نئے مسائل کا وقوع پذیر ہونا یقینی تھا، اور جن کے لیے بعینہ تعلیمات قرآن و سنت میں نہ تھیں، اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے دو اقدامات کی رہنمائی خود ہی فرمادی:

[10] سنن أبي داود؛ ج ٥، ص ٤٨٥ [كتاب العلم، باب الحث على طلب العلم]

پہلا اقدام: ایسے نئے مسائل جن سے متعلق قرآن وسنت میں کوئی حکم صراحت سے موجود نہ ہو، تو اس میں ہر فرد اپنی عقل سے اور اپنے فہم سے کوئی فیصلہ نہیں کرے گا، بلکہ اس کے لیے قرآن وسنت کی طرف رجوع کیا جائے گا اور قرآن وسنت میں موجود دلالتوں اور اشاروں کی بنیاد پر 'قیاس' کے ذریعے فیصلہ کیا جائے گا۔ یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ زمانے کے لامتناہی سلسلے میں قرآن وسنت میں متناہی احکامات آئے ہیں، لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ خالقِ کائنات نے اپنی کتاب اور اپنے پیارے حبیب ﷺ کی تعلیمات میں قیامت تک آنے والے مسائل سے متعلق رہنمائی کسی نہ کسی درجے میں ضرور کر دی ہے۔

﴿وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً وَبُشْرَى لِلْمُسْلِمِينَ﴾ [النحل:۸۹]

"اور ہم نے تم پر یہ کتاب نازل کی جو ہر چیز (یعنی ہر قسم کے احکام) کے بیان کرنے والی ہے، ہدایت ہے، رحمت ہے اور مسلمانوں کے لیے خوشخبری ہے"۔

﴿وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِي هَٰذَا الْقُرْآنِ لِلنَّاسِ مِن كُلِّ مَثَلٍ ۚ وَكَانَ الْإِنسَانُ أَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا﴾ [الکھف:۵۴]

"اور ہم نے لوگوں کے فائدے کے لیے اس طرح قرآن میں طرح طرح سے ہر قسم کے مضامین بیان کیے ہیں، اور انسان ہے کہ جھگڑا کرنے میں ہر چیز سے بڑھ گیا ہے"۔

اس لیے دینِ اسلام نے یہ روا نہیں چھوڑا کہ قرآن وسنت سے رجوع کیے بغیر انسان اپنی عقل وفہم ومصلحت سے کوئی فیصلہ کرڈالیں، بلکہ لازم ہے کہ قرآن وسنت کی عمومی ہدایات اور اس کی نصوص میں پائی جانے والی دلالات کو مدِ نظر رکھ کر نئے پیش آمدہ مسائل میں اجتہاد کیا جائے۔

قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا﴾

"پھر اگر تمہارے درمیان کسی چیز میں اختلاف ہو جائے تو اگر واقعی تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹا دو۔ یہی

[النساء:۵۹]　　　　طریقہ بہترین ہے اور اس کا انجام بھی سب سے بہتر ہے"۔

یہاں اللہ کی طرف لوٹانے سے مراد قرآن ہے اور اس کے رسول ﷺ کی طرف لوٹانے سے مراد رسول اللہ ﷺ کی زندگی کے بعد 'سنت' کی طرف لوٹانا ہے۔

دوسرا اقدام: یہ رہنمائی بھی ہر فردِ مسلمان از خود اپنے فہم کے مطابق قرآن وسنت سے اخذ نہیں کرے گا، بلکہ مسلمانوں میں سے وہ لوگ کریں گے جن کی زندگیاں قرآن وسنت کو پڑھنے، سمجھنے میں گزری ہوں گی، جن کے شب وروز کا وظیفہ قرآن وسنت کی تعلیم ہو گا اور جو اس میں متخصص ہوں گے۔ جب قرآن وسنت کی نصوص کی تشریح وتعبیر میں علماء کو معیار مقرر کیا گیا تو جہاں قرآن وسنت سے نئے آنے والے مسائل میں استنباط کا تعلق ہے تو یہ اس سے بھی اگلا درجہ ہے۔ بھلا یہاں کوئی عام مسلمان کیسے از خود اجتہاد اور فیصلہ کر سکتا ہے۔ جو لوگ قرآن وسنت کے علم میں متخصص نہ ہوں، تو وہ اہلیت نہ ہونے کی وجہ سے قرآن وسنت سے مسائل کا استنباط بھی نہیں کر سکتے، اور اگر اس کی کوشش کریں گے تو وہ دین کے باب میں غلطی کر بیٹھیں گے۔

﴿وَإِذَا جَآءَهُمْ أَمْرٌ مِّنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهِۦ وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَىٰٓ أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنۢبِطُونَهُۥ مِنْهُمْ﴾[النساء:۸۳]

"اور جب ان عوام الناس کے پاس امن یا خوف کی کوئی بات پہنچتی ہے تو یہ (بے تحقیق) اس کی اشاعت کر دیتے ہیں، اور اگر یہ اس معاملے کو رسول کی طرف یا صاحبِ امر کی طرف لوٹاتے تو ان میں سے جو لوگ اس کے استنباط کے اہل ہیں، وہ اس (کی حقیقت) کو خوب معلوم کر لیتے"۔

اس آیت میں اس طرف اشارہ ہے کہ اگر کسی دینی مسئلے میں مسلمان مبتلا ہوں تو اس کا علم اہلِ استنباط سے دریافت کیا جائے۔ امام ابو بکر جصاص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

فقد حوت هذه الآية معاني؛ منها أن في أحكام الحوادث ما ليس بمنصوص عليه بل مدلول عليه ومنها أن على العلماء

"پس اس آیت میں کئی باتوں کی نشاندہی ہے، ایک یہ کہ نئے پیش آنے والے معاملات میں کتنے ہی

استنباطه والتوصل إلى معرفته برده إلى نظائره من المنصوص ومنها أن العامي عليه تقليد العلماء في أحكام الحوادث.[11]

ایسے ہوتے ہیں جن میں کوئی منصوص حکم نہیں ہوتا، لیکن حکم کی دلالت (قرآن وسنت میں) ضرور ہوتی ہے، دوسری یہ کہ علماء کا منصب ہے کہ وہ ان پیش آمدہ معاملات میں حکمِ شرعی کا استنباط کریں اور منصوص احکام میں سے مثالوں پر قیاس کرکے حکم اخذ کریں، تیسری بات یہ ہے کہ عامی پر لازم ہے کہ وہ پیش آمدہ مسائل میں علماء کی تقلید واتباع کرے"۔

صحیح بخاری میں سیدنا عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إن الله لا ينزع العلم بعد إذا أعطاكموه انتزاعا ولكن ينزعه مع قبض العلماء بعلمهم فيبقي ناس جهال يستفتون فيفتون برأيهم فيضلون ويضلون.[12]

"اللہ تعالیٰ تم لوگوں کو علم عطا کرنے کے بعد تم سے علم یونہی اٹھا نہیں لیں گے، بلکہ تم میں سے علماء کو ان کے علم سمیت اٹھانے کی صورت میں تم سے علم اٹھالیں گے، اس کے بعد جاہل لوگ رہ جائیں گے جن سے لوگ فتویٰ لیں گے اور وہ اپنی رائے سے فتویٰ دیں گے۔ پس خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے"۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر غیر علماء یہ کام کریں گے تو وہ لامحالہ اپنی رائے سے کریں گے تو خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

[11] أحكام القرآن؛ ج ٣، ص ١٨٣

[12] صحيح البخاري؛ ص ١٨٠٥ [كتاب الاعتصام بالكتاب والسنة؛ باب ما يذكر في ذم الرأي وتكلف القياس]

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اور رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ نے علماء کی بہت فضیلت بیان فرمائی اور مسلمانوں میں عمومی افضلیت انھی کو نوازی گئی۔ اس حوالے سے یہاں قرآن وسنت کی نصوص درج نہیں کی جارہی ہیں کیونکہ اس سے موضوع بہت طویل ہو جائے گا۔ ہمارا مقصود تو یہ واضح کرنا ہے کہ دینِ اسلام میں علماء کا کیا مقام ہے، اور دینِ اسلام کی حفاظت وترویج اور غلبہ واحیاء میں علماء کا کردار منہا کر دیا جائے تو یہ مقصد و منزل حاصل کرنا محال ہے۔

احیائے دین اور غلبۂ اسلام کی جد وجہد میں بنیادی کردار طبقۂ علماء کا ہے

جب ہم تاریخِ اسلامی کو دیکھتے ہیں تو ہمیں دین اسلام کی حفاظت اور اس کے غلبہ واحیاء میں بنیادی کردار علماء ہی کا نظر آتا ہے۔ ہم نے مقدمہ میں جو دو احادیث ذکر کی ہیں، اس میں خود زبانِ نبوت سے اس کی پیشین گوئی کی گئی ہے۔ پھر جب علماء ہی انبیاء کے وارث ہوئے تو دین کے احیاء وبقا کی بنیادی ذمہ داری انھی کی ٹھہری۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے مقربین میں سے اعلی مراتب انھی نے پائے جنھوں نے رسول اللہ ﷺ سے علمِ دین میں حظِ وافر لیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے اپنی زندگی میں دور کے علاقوں کی طرف جنھیں حکومت وقضا سونپا تو وہ سبھی اہلِ علم صحابہ تھے، جیسا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو مختلف اطراف میں بھیجا گیا۔ مدینہ ہجرت کرنے سے قبل بھی رسول اللہ ﷺ نے سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ وہ اہلِ مدینہ کو دین سکھائیں۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں رہتے ہوئے بھی مختلف اطراف میں علماء صحابہ کو بھیجا تاکہ لوگوں کو دین سکھائیں۔ جن میں سے دو واقعات [واقعہ رجیع وواقعہ بئر معونہ] میں تو کفار کے غدر کے سبب کل اسّی علماء صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شہید کر دیے گئے اور رسول اللہ ﷺ نے تیس دن تک ان قبائل کے خلاف بد دعا فرمائی۔

الغرض، رسول اللہ ﷺ کے بعد خلفائے راشدین کا بھی یہی اسوہ رہا کہ جو اطرافِ زمین سلطنتِ اسلامیہ کا حصہ بنیں، وہاں علماء صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمۃ اللہ علیہم کو بھیجا گیا اور انھی کی بدولت دین کی تعلیمات پھیلیں اور زندہ ہوئیں۔ شام کی فتح کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ اور

سیدنا ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کو بھیجا تاکہ وہ وہاں لوگوں کو دین سکھائیں۔[13] یہاں تک کہ جب رعایا کے ایک مسئلہ میں سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کا وہاں کے امیر 'جلیل القدر صحابی' سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے اختلاف ہوا اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے آپ کی بات تسلیم نہیں کی تو سیدنا عبادہ رضی اللہ عنہ خفا ہو کر واپس مدینہ چلے گئے۔ جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے آپ سے واقعہ سنا تو آپ سے فرمایا:

ارجع يا أبا الوليد إلى أرضك، فقبح الله أرضا لست فيها وأمثالك. وكتب إلى معاوية: لا إمرة لك عليه، واحمل الناس على ما قال، فإنه هو الأمر.

"اے ابو ولید (یعنی سیدنا عبادہ)! آپ واپس اپنے مقام پر چلے جائیے۔ اللہ ایسی زمین کو برا بنائے جہاں آپ اور آپ جیسے نہ ہوں۔ اور سیدنا معاویہ کو لکھا کہ آپ کو ان پر کوئی اختیار نہیں ہے اور لوگوں کو ان کے بیان کردہ مسائل کا پابند بنائیے۔ پس یہی حکم ہے"۔[14]

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کے اولین دور میں اس رویے کو فروغ دیا گیا کہ امراء وعمال کا علماء سے کوئی نزاع نہ بنے، بلکہ امراء وعمال بھی علماء کی آراء کے پابند ہوں اور علماء دین کی تعلیمات پھیلانے میں کسی قسم کے حاکمانہ دباؤ سے باضابطہ طور پر آزاد ہوں۔

بعد کے ادوار میں جب خلافت علی منہاج النبوۃ قائم نہیں رہی اور صحابہ کرام □ کے سنہری دور کے بعد ملوکیت کی صورت میں حکومت مستحکم ہو گئی تو علماء نے جہاں دین کے تحفظ کے لیے سلطانِ متغلب کی حکومت کو تسلیم کرنے کا فتویٰ دیا، وہاں مقصود یہی تھا کہ یہ حکومت کافرہ نہیں ہے جسے بدلنا دین کا بنیادی فریضہ ہو، بلکہ حکومتِ فاسقہ ہے جسے ہٹانے گرانے کی کوشش جاری رہی تو مسلمانوں کی توانائیاں بھی اس میں صرف ہوں گی، خون خرابہ بھی ہو گا، بدامنی پھیلے گی اور دین کی تعلیمات معاشرے میں متاثر ہوں گی۔ اس کی بجائے درست طریقِ کار یہ ہے کہ حکومت انھی حکام کے حوالے رہے اور باقی معاشرے میں دین کے غلبے کو یقینی بنایا جائے

[13] الإصابة في تمييز الصحابة؛ ج ٥، ص ٥٧٠

[14] سنن ابن ماجه؛ ج ١، ص ١٤ [أبواب السنة؛ باب تعظيم حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم]

اور ساتھ ساتھ ان حکام کو دین کے مطابق امر بالمعروف و نہی عن المنکر کیا جاتا رہے، ان کی منکرات پر انھیں نکیر کی جائے اور ان کی منکرات کا دائرہ معاشرے تک پھیلنے سے روکا جائے۔ اس سے مقاصدِ دین حاصل ہوں گے۔

علمائے کرام کی اسی روش نے بعد کی صدیوں میں دین کے احیاء میں مزید کردار ادا کیا اور مزید علاقوں تک دینِ اسلام پھیلا اور غالب ہوا، وگرنہ قوی اندیشہ تھا کہ مسلمان باہم جنگ وجدال میں اپنی قوت کھو بیٹھیں اور غلبۂ اسلام کی جدوجہد دم توڑ جائے۔ چنانچہ فاتحینِ اسلام علاقے فتح کرتے چلے گئے اور اس کے زیرِ اثر علمائے کرام تبلیغ واشاعتِ دین کا فریضہ انجام دیتے چلے گئے۔ ان تمام ادوار میں آپ کو اسلامی سلطنت کی مضبوطی، اسلامی تہذیب وتمدن کے نفوذ اور اسلامی احکامات کے نفاذ میں علمائے کرام سرِ فہرست نظر آئیں گے۔ آپ خلیفہ عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھیں گے تو آپ کو امام زہری رحمۃ اللہ علیہ بھی نظر آئیں گے، ہارون الرشید کو دیکھیں گے تو قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ بھی نظر آئیں گے، سلاجقہ کو دیکھیں گے تو نظام الدین طوسی رحمۃ اللہ علیہ بھی نظر آئیں گے۔ علاوہ ازیں ائمہ اربعہ سمیت مجددین کی ایک پوری فہرست نظر آئے گی جس کی نظیر دنیا کی کسی بھی دوسری ملت میں ملنا مشکل ہی نہیں، ناممکن ہے... جن کی محنتوں نے صدیوں تک دینِ اسلام کو زندہ وتابندہ رکھا اور انسانوں کی ایک بڑی تعداد کو اس سے وابستہ کیا اور معاشروں کے معاشروں کو اسلام سے مزین کیا، سلطنتوں کو اسلامی تعلیمات کا پابند بنایا، مسلمان سلاطین تک کو اسلامی تعلیمات سے آزاد نہیں ہونے دیا۔

مسلمانوں پر علمائے کرام کا احترام واجب ہے

دینِ اسلام اور امتِ محمدیہ [علی صاحبها الف تحیة وسلام] میں انھی وجوہ سے علمائے کرام کو خاص مقام حاصل ہے اور تمام مسلمانوں پر اپنے میں سے علماء کا احترام واجب ہے۔ مسند احمد کی روایت میں سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل فرماتے ہیں:

ليس من أمتي من لم يجل كبيرنا ويرحم صغيرنا ويعرف لعالمنا [حقه].[15]

''میری امت میں سے وہ نہیں جو بڑوں کا ادب نہ کرے، چھوٹوں پر شفقت نہ کرے اور ہمارے عالم کا حق نہ جانے''۔

خود رسول اللہ ﷺ نے اپنے امتیوں پر علمائے امت کا احترام لازم کر دیا اور جو نہ کرے، اسے سنتِ محمدیہ کی پیروی سے نکلنے والا بتلایا۔ علامہ عبد الرؤف مناوی رحمۃ اللہ علیہ اس کے ذیل میں فرماتے ہیں:

فاحترام الْعلمَاء ورعاية حُقُوقهم توفيق وهداية واهمال ذَلِك خذلان وخسران. 16

''پس علماء کا احترام اور ان کے حقوق کی رعایت کرنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے توفیق اور ہدایت کا ملنا ہے، جبکہ اس میں کوتاہی رسوائی اور تباہی ہے''۔

رسول اللہ ﷺ نے علمائے کرام کے احترام کو رب تعالیٰ کا احترام کرنا بتلایا۔ سیدنا ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان نقل فرمایا:

إن من إجلال الله إكرام ذي الشيبة المسلم، وحامل القرآن غير الغالي فيه والجافي عنه، وإكرام ذي السلطان المقسط.[17]

''سفید ریش مسلمان، قرآن کے حامل عالم... جو نہ اس میں غلو کرے اور نہ اسے ترک کر دے... اور عادل سلطان کا احترام کرنا اللہ کا احترام کرنا ہے''۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے متعلق مروی ہے کہ ایک مرتبہ انھوں نے سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی سواری کی رکاب پکڑلی۔ اس پر سیدنا زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے عم زادہ رسول! چھوڑیے۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ فرمانے لگے:

---

[15] مسند أحمد؛ ج ٣٧، ص ٤١٦ [مسند عبادة بن الصامت رضي الله عنه]۔ مسند احمد کے نسخوں میں 'حقه' کا اضافہ نہیں ہے، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اطراف مسند میں یہ لفظ نقل کیا ہے [دیکھیے: إطراف المسنِد المعتلي بأطراف المسند الحنبلي؛ ج ٢، ص ٦٦٧]۔ ہر دو صورت میں معنی ایک ہی ہے۔

[16] التيسير بشرح الجامع الصغير؛ ج ٢، ص ٣٣١

[17] سنن أبي داود؛ ج ٧، ص ٢١٢ [كتاب الأدب، باب في تنزيل الناس منازلهم]

إنا هكذا نفعل بكبرائنا وعلمائنا.[18]

"بلاشبہ ہم اپنے بڑوں اور علماء کے ساتھ ایسا ہی (احترام) کرتے ہیں"۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے 'ریاض الصالحین' میں باب باندھا ہے جس کا عنوان ہے:

باب توقير العلماء والكبار وأهل الفضل وتقديمهم على غيرهم ورفع مجالسهم وإظهار مراتبهم.

"علمائے کرام، اکابر اور اہلِ فضل کے احترام، انھیں دوسروں پر مقدم رکھنے، نشستوں میں انھیں اونچا مقام دینے اور ان کی منزلت دوسروں پر ظاہر کرنے کے بیان میں باب"۔

اس کے تحت شیخ ابن عثیمین رحمۃ اللہ علیہ ریاض الصالحین کی شرح میں لکھتے ہیں:

وبتوقير العلماء توقر الشريعة؛ لأنهم حاملوها، وبإهانة العلماء تهان الشريعة؛ لأن العلماء إذا ذلوا وسقطوا أمام أعين الناس؛ ذلت الشريعة التي يحملونها، ولم يبق لها قيمة عند الناس.[19]

"علماء کے احترام سے شریعت کا احترام قائم ہوتا ہے کیونکہ وہی تو شریعت کے جاننے والے ہیں۔ اور علماء کی اہانت سے شریعت کی اہانت ہوتی ہے، کیونکہ جب علماء کی بے عزتی کی جائے اور انھیں

---

[18] المستدرك على الصحيحين؛ ج ٣، ص ٤٢٣ [كتاب معرفة الصحابة؛ ذكر مناقب زيد بن ثابت كاتب النبي صلى الله عليه وسلم]

[19] شرح ریاض الصالحین؛ ج ۳، ص ۲۳۱۔ شیخ ابن عثیمین رحمۃ اللہ علیہ اسی سلسلہ کلام میں آگے چلتے ہوئے بہت اہم تنبیہ کرتے ہیں جو یہاں ذکر کرنا فائدہ سے خالی نہیں معلوم ہوتا، لیکن چونکہ موضوع سے تھوڑا باہر ہے، اس لیے حاشیے میں درج کی جارہی ہے۔ دراصل اس دور میں اہلِ دین میں سے بعض کے یہاں عدمِ تقلید کا غوغا اس زور سے اٹھا کہ بعضے عوام اور کم علم افراد خود اجتہادی میں مبتلا ہونے لگے، اور طلابِ علم بھی علمائے اسلاف و مجتہدین کے فتاویٰ کو رد کرکے اس کے مقابلے میں اپنی آراء دینے لگے۔ ایسے افراد کو نصیحت کرتے ہوئے شیخ لکھتے ہیں:
[إذا لم يعظم العلماء، فإن الناس إذا سمعوا من العالم شيئاً قالوا: هذا هين، قال فلان خلاف ذلك. أو قالوا: هذا هين هو يعرف ونحن نعرف، كما سمعنا عن بعض السفهاء الجهال، أنهم إذا جودلوا في مسألة من مسائل العلم، وقيل لهم: هذا قول الإمام أحمد بن حنبل، أو هذا قول الشافعي، أو قول مالك، أو قول أبي حنيفة، أو قول سفيان، أو ما أشبه ذلك قال: نعم، هم رجال ونحن رجال، لكن فرق بين رجولة هؤلاء ورجولة هؤلاء، من أنت حتى تصادم بقولك وسوء فهمك وقصور علمك وتقصيرك في الاجتهاد وحتى تجعل نفسك نداً لهؤلاء الأئمة رحمهم الله؟]

لوگوں کی نظروں میں گرا دیا جائے تو جس شریعت کا وہ علم رکھتے ہیں، وہ بے عزت ٹھہرتی ہے، اور لوگوں کی نظر میں شریعت کی کوئی وقعت نہیں بچتی"۔

علمائے کرام کے اسی احترام کا تقاضا ہے کہ علمائے کرام کے حق میں کسی بھی قسم کی بے ادبی سے بچا جائے۔ ان کی تنقیص کرنا، انھیں برا بھلا کہنا، عوام میں ان کا مقام گرانا، انھیں بے وقعت سمجھنا، یہ تمام امور ناجائز ہیں۔ سوائے خاص صورتوں کے جن کا ذکر آگے تفصیل سے آئے گا۔

جب عام مسلمان کے ساتھ برا سلوک کرنا جائز نہیں، اس کی غیبت کرنا، اسے گالی دینا، اس کی تحقیر کرنا جائز نہیں، تو علمائے کرام کا مقام و مرتبہ علمِ دین کی نسبت سے سب سے بلند ہے۔ جو شخص بھی علمائے کرام کی بے ادبی کرتا ہے تو یہ اس کی دین سے وابستگی میں کمی اور گمراہی کی دلیل ہے۔ حتیٰ کہ جو کوئی علماء کا مذاق اڑائے تو یہ بعض حالتوں میں انسان کو کفر تک پہنچا دیتا ہے، جیسا کہ ہمارے علمائے احناف کی کتب میں مذکور ہے۔

حافظ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب 'تبیین کذب المفتري' کے مقدمہ میں فرماتے ہیں:

وأعلم يا أخي وفقنا الله وإياك لمرضاته وجعلني وإياك ممن يخشاه ويتقيه حق تقاته أن لحوم العلماء مسمومة وعادة الله في هتك أستار منتقصيهم معلومة لأن

"اے میرے بھائی! اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں اپنی رضا کی توفیق دیں اور مجھے اور تمہیں ان لوگوں میں شامل فرمائیں جو اس سے ڈرنے والے ہیں اور اس سے ویسا تقویٰ اختیار کرنے والے ہیں جیسا کہ اس کا

[جب علماء کا احترام نہ کیا جائے۔ جب لوگ کسی عالم سے کوئی بات سنیں تو کہنے لگیں: یہ ہلکی بات ہے، فلاں کا قول اس کے خلاف ہے۔ یا کہنے لگیں: یہ ہلکی بات ہے، وہ جانتا ہے تو ہم بھی جانتے ہیں۔ جیسا کہ ہم نے بعض احمقوں، جاہلوں کو کہتے سنا ہے۔ جب ان سے دین کے کسی مسئلے میں گفتگو کی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ یہ امام احمد بن حنبل کا قول ہے، یا یہ امام شافعی کا قول ہے، یا امام مالک کا قول ہے، یا امام ابو حنیفہ کا قول ہے یا امام سفیان ثوری کا قول ہے یا ایسی کوئی بات، تو سامنے سے کہنے والا کہتا ہے: ہاں، وہ بھی ہماری طرح کے آدمی ہی تھے۔ لیکن کیا اُن کی آدمیت اور اِن کی آدمیت میں کوئی فرق نہیں۔ تم کون ہوتے ہو کہ تمہارے قول، کم فہمی، کم علمی اور اجتہاد میں نااہلیت کا ائمہ سے مقابلہ ہو اور تم کون ہوتے ہو کہ تم نے اپنے آپ کو اُن ائمہ کا ہم پلہ بنالیا ہے؟]

الوقيعة فيهم بما هم منه براء أمره عظيم والتناول لأعراضهم بالزور والإفتراء مرتع وخيم والإختلاق على من إختاره الله منهم لنعش العلم خلق ذميم.[20]

حق ہے۔ جان رکھو کہ علماء کا گوشت زہریلا ہے، اور ان کی تنقیص کرنے والوں کو رسوا کرنے کی الٰہی سنت معروف ہے۔ وجہ یہ ہے کہ ان کی طرف کسی برائی کی نسبت کرنا جس سے وہ بَری ہوں، بہت بڑا معاملہ ہے اور جھوٹ و ملمع سازی سے ان کی شان میں گستاخی کرنا انتہائی بد خصلت ہے اور جن لوگوں کو اللہ نے علمِ دین کے نشر کے لیے چنا ہے، ان کے بارے میں جھوٹ گھڑنا بہت بری عادت ہے"۔

[20] تبيين كذب المفتري فيما نسب إلى الإمام أبي الحسن الأشعري؛ ص ٢٩

فصل دوم: علماء کی زلات [غلطیاں] اور ان سے متعلق اسلامی تعلیمات

علماء سے غلطی کا صدور، جسے 'زَلَّة العالم' کہا جاتا ہے

جب اسلامی احکامات کی تعلیم و تبلیغ، معاشروں میں دینی اقدار کو پھیلانے اور ان کے مطابق معاشرہ سازی میں علمائے کرام کا بنیادی کردار ہے اور ان کی ہستیوں کو مرجع قرار دیا گیا ہے، ایسے میں اگر ان سے اسلامی احکام کے بیان میں غلطی کا صدور ہو جائے تو اس سے مسلمانوں میں دین کی درست تعلیمات عام ہونے کی بجائے غلطی اور گمراہی پھیلنا شروع ہو جائے گی۔ چونکہ وہ غلطی علماء کی طرف سے ہو گی تو اسے دین ہی سمجھا جانے لگے گا۔ اس کی روک تھام از حد ضروری ہے، وگرنہ الہامی احکامات اور دینی تعلیمات میں ہی تبدیلی ہو جائے گی اور انسان اللہ کے دین کے نام پر خلافِ دین باتوں کو اپنا لیں گے اور خود دین ہی بگاڑ کا شکار ہو جائے گا۔ اس راستے سے سابقہ ادیان میں بھی گمراہیاں پیدا ہوئیں، یہاں تک کہ پوری دینی تعلیمات ہی تحریف کا شکار ہو گئیں۔

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ زیاد بن حدیر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تمہیں معلوم ہے کہ دینِ اسلام کو کیا چیز منہدم کرتی ہے۔ انھوں نے کہا کہ معلوم نہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے:

يهدمه زلّة العالم، وجِدال المنافق بالكتاب، وحكم الأئمة المُضِلّين.[21]

"دین کو منہدم کرنے والی یہ چیزیں ہیں: عالم کی غلطی، منافق کا قرآن کی بنیاد پر جدال کرنا اور گمراہ کرنے والے امام کے احکام"۔

[21] سنن الدارمي؛ ج ١، ص ٢٩٥ [باب في كراهية أخذ الرأي]

اسی لیے اسلام نے یہ انتظام فرمایا کہ انسانوں میں سے صرف رسولوں کی اطاعت کو فی ذاتہ واجب قرار دیا۔ اور رسول آخر الزمان ﷺ کی ذات پر اسلام کو تمام فرما کر قیامت تک کے لیے اپنی ہستی کے ساتھ انھی کی ذات کو واجب الاطاعت قرار دیا۔ آپ ﷺ کے بعد علمائے امت کو احکامِ دینیہ میں پیشوا ضرور بنایا اور رسولوں کا وارث قرار دیا، مگر ان کی اطاعت کو اپنی اطاعت کے تابع کر دیا۔ پس اگر علماء رسول اللہ ﷺ کے احکامات کے مطابق دین بیان کریں گے تو واجب الاطاعت اور اگر خلاف کریں گے تو ان کی اطاعت حرام وناجائز۔ یوں ایک طرف دین کے معاملے میں لوگوں کو آزاد نہیں چھوڑا کہ ہر کس وناکس اپنی عقل کے مطابق دین سیکھے اور دوسری طرف علمائے کرام کی اطاعت کے لیے بھی کسوٹی بنادی، تاکہ ان کی طرف سے بھی غلط دین نشر نہ ہونے پائے۔

یہی وجہ ہے کہ جب کوئی عالم دین کے احکام میں غلطی کرتا ہے، تو اس کی اطاعت سے منع کر دیا گیا اور اس سے خبر دار کیا گیا۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی مسند میں روایت ہے کہ ایک شخص نے سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے وصیت چاہی جبکہ وہ بستر مرگ پر تھے تو آپ نے فرمایا:

اتق زلة العالم.[22]   ”عالم کی غلطی سے بچنا“۔

اب یہاں دو سوال پیدا ہوتے ہیں کہ یہ کیسے طے ہو گا کہ کسی عالم کا فتویٰ یا قول رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کے خلاف ہے؟ اور وہ کیا وجوہات ہیں کہ جن کے باعث کسی عالم سے غلطی کا صدور ہوتا ہے؟

زلۃ العالم کیسے متعین ہوتا ہے

اسلامی احکام میں صحت وصواب کا معیار

پہلے سوال کے جواب میں عرض ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی حفاظت کا تشریعی وتکوینی انتظام فرما دیا۔ اپنا کلام قرآنِ مجید کی صورت میں محفوظ کر دیا اور اپنے رسول ﷺ کی تعلیمات سنت وحدیث کی صورت میں مسلمانوں میں محفوظ کروادیں۔ اس طرح ان دونوں میں تحریف کا دروازہ بند کر دیا، چنانچہ آج دیگر ادیانِ

[22] مسند الإمام أبي حنيفة؛ ص ٦٨۔ اسے امام ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ نے 'مجمع الزوائد' میں بھی نقل کیا ہے۔

سماویہ کے بر خلاف اسلام کے مصادر محفوظ ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ... اگرچہ انبیاء کے بعد کسی انسان کو معصوم نہیں بنایا، لیکن امتِ محمدیہ کو بحیثیتِ امت گمراہی سے محفوظ کر دیا اور امت کے اتفاق کو دین کا مصدر بنا دیا، جسے ہم 'اجماع' کے نام سے جانتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ہی بتلادیا تھا کہ میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہو گی۔ یوں دین کے مصادر کو مسلمانوں کے درمیان محفوظ فرما دیا، اب جو کوئی قرآن وسنت واجماع کی مخالفت میں کوئی فتویٰ دے یا رائے اختیار کرے، تو اسے غلط قرار دیا جائے گا۔

دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو جماعتِ صحابہ کی شکل میں شاگردوں سے نوازا جنھوں نے براہِ راست دین سیکھا اور پھر ان صحابہ سے بعد والوں نے سیکھا اور ان سے ائمہ مجتہدین تک دین پہنچا۔ یوں اسلام کے ابتدائی دور میں ہی مصادرِ دینیہ سے اخذ کردہ بیشتر احکامِ دینیہ محفوظ ہو گئے اور مصادرِ دینیہ سے استنباطِ احکام کے اصول وضوابط طے ہو گئے۔ یوں اسلافِ امت کے دور میں ہی ایک طرف سے مصادرِ دین [Sources] محفوظ ہو گئے تو دوسری طرف استنباطِ احکام (اجتہاد) کے اصول [Jurisprudence] متعین ہو گئے جن پر اہل السنۃ والجماعۃ نے اتفاق کر لیا، اور تیسری طرف احکامِ دینیہ [Laws] کا بڑا حصہ محفوظ ہو گیا، احکامِ اسلامی کے مختلف وجوہ محفوظ ہو گئے۔[23]

اس سب کے نتیجے میں علماء کی غلطیوں کے تعین کے لیے معیار مقرر ہو گیا، جنھیں ذیل کے دو نکات میں محصور کیا جا سکتا ہے:

اول: قرآن وسنت واجماع کی نصوص کی صریح مخالفت۔

دوم: قرآن وسنت واجماع کی نصوص سے استدلال میں جماعتِ علماء کی آراء کے بر خلاف تفرد۔

پہلا معیار تو واضح ہے اور یہی وجہ ہے کہ امت کے علماء کا اتفاق ہے کہ قرآن وسنت واجماع کی غیر متعارضہ نصوص کے خلاف کسی عالم کا قول قبول نہیں کیا جائے گا۔ اور جس کسی کا قول خلاف پایا جائے گا تو اسے 'زلۃ' کہا جائے گا۔ یہ مسئلہ قریباً اصول کی تمام کتب میں مذکور ہے۔

---

[23] ان دونوں نکات کا ذکر امام شاطبی رحمہ اللہ نے 'الموافقات' میں ایک مقام پر کیا ہے۔ دیکھیے: الموافقات؛ كتاب المقاصد، القسم الأول: مقاصد الشارع، المسئلة الثانية عشرة: هذه الشريعة معصومة من الضياع والتبديل۔ [ج ٢، ص ٥٨ تا ٦١]

دوسرے معیار کا تعلق ان مسائل سے ہے جس میں نصوص میں کئی احتمال موجود ہوں اور یوں اجتہاد کی وجہ سے مختلف آراء قائم ہوں، ایسے میں بھی جبکہ کسی عالم کا قول جماعتِ علماء کے بیان کردہ احتمالات سے ہٹ کر بالکل جدا ہو اور واضح دلائل کے خلاف ہو، تو یہ بھی غیر مقبول ہے، غلطی ہے۔ ایسے قول کو علماء 'شاذ' سے تعبیر کرتے ہیں۔ امام شاطبی رحمۃ اللہ علیہ 'الموافقات' میں اس معیار کو ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ما كان معدودا في الأقوال غلطا وزللا قليل جدا في الشريعة، وغالب الأمر أن أصحابها منفردون بها، قلما يساعدهم عليها مجتهد آخر، فإذا انفرد صاحب قول عن عامة الأمة، فليكن اعتقادك أن الحق [في المسألة] مع السواد الأعظم من المجتهدين، لا من المقلدين.[24]

"علمائے کرام میں وہ اقوال جنھیں زلۃ اور غلطی کہا جاتا ہے، بہت قلیل ہیں۔ اور غالب معاملہ یہ ہے کہ ایسے اقوال کے حاملین اپنے ایسے اقوال میں منفرد ہوتے ہیں، کم ہی کوئی دوسرا مجتہد ان کے موافق ہوتا ہے۔ پس جب کسی عالم کا قول عامہ امت سے متفرد پایا جائے تو جان لیجیے کہ اس مسئلے میں حق مجتہدین کی معظم جماعت کے ساتھ ہے۔ ہاں، اس میں مقلدین کی قلت و کثرت کا اعتبار نہیں"۔

'زلّات' کی وجوہات

دوسرے سوال کے جواب میں عرض ہے کہ کسی بھی عالم سے غلطی کے صدور کی درج ذیل وجوہات ہو سکتی ہیں:

---

[24] الموافقات؛ ج ۴، ص ۱۷۳

اول: اجتہاد کی غلطی

الف: لاعلمی

کوئی عالم کسی مسئلے میں بغیر علم کے کوئی فتویٰ دے دے، یعنی اسے اس خاص مسئلے میں علم نہ ہو، محض سطحی گمان سے کوئی مسئلہ بیان کر دے۔ یہ غلطی کی بنیادی وجہ ہو سکتی ہے، تاہم معتبر علمائے کرام سے عام طور پر اس کا صدور بعید ہے۔ بھلا جو شخص اپنی زندگی علمِ دین میں صرف کر دے، وہ کیونکر بے علمی کی بنیاد پر مسائل بیان کرے۔ پھر جبکہ رسول اللہ ﷺ سے اس معاملے میں سخت وعید مذکور ہے۔ سیدنا ابو ہریرہ □ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

من أُفتِيَ بغير علم كان إثمه على من أفتاه.[25] "جس کسی سائل کو بغیر علم کے فتویٰ دیا گیا، تو اس میں گناہ فتویٰ دینے والے پر ہے"۔

البتہ جہاں خواہش پرستی آجائے تو وہاں ایسا ممکن ہی نہیں، لازم ہے۔ ہم خواہش پرستی کو الگ ذکر کریں گے۔

ب: اجتہاد میں تقصیر

مذکورہ بالا حدیث میں 'بغیر علم' کی تشریح 'کماحقہ اجتہاد نہ کرنا' بھی ہے اور یہ قرینِ امکان ہے۔ جیسا کہ ایک دوسری روایت کے الفاظ ہیں:

ومن أفتي بفتيا من غير ثبت فإنما إثمه على من أفتاه.[26] "اور جس کسی کو درست تحقیق کے بغیر کوئی فتویٰ دیا گیا تو جس نے فتویٰ دیا ہے، گناہ اسی پر ہے"۔

یعنی کسی عالم پر کوئی شرعی مسئلہ اخذ کرنے کے لیے جس قدر اجتہاد واجب تھا، کتاب وسنت میں جس قدر تحقیق لازم تھی، اس میں ہی اس نے کوتاہی کی جس کے سبب غلطی ہوئی۔ اصول کی کتب میں 'اجتہاد' کی تعریف ان الفاظ میں کی جاتی ہے:

---

[25] سنن أبي داود؛ ج ٥، ص ٤٩٩ [كتاب العلم؛ باب التوقي في الفتيا]

[26] سنن الدارمي؛ ج ١، ص ٢٥٩ [باب الفتيا وما فيه من الشدة]

الإجتهاد في اصطلاح الأصوليين مخصوص باستفراغ الوسع في طلب الظن بشيء من الأحكام الشرعية على وجه يحس من النفس العجز عن المزيد فيه.[27]

"علمائے اصول کے نزدیک اجتہاد کہتے ہیں شریعت کے احکام میں سے کسی حکم کے اخذ میں گمانِ غالب تک پہنچنے کے لیے اپنی پوری قدرت صرف کرنا، اس درجے کہ مزید قدرت صرف کرنے سے نفس عاجز ہو جائے"۔

اس آخری ٹکڑے کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ سیف الدین آمدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ليخرج عنه اجتهاد المقصر في اجتهاده مع إمكان الزيادة عليه، فإنه لا يعد في اصطلاح الأصوليين اجتهادا معتبرا.[28]

"تاکہ اجتہاد میں تقصیر کرنے والے کے اجتہاد کو... جبکہ مزید بحث و تمحیص کا امکان تھا... تعریفِ اجتہاد سے ہی خارج کر دیا جائے۔ کیونکہ علمائے اصول کے یہاں اسے معتبر اجتہاد نہیں قرار دیا جاتا"۔

معلوم ہوا کہ مبنی بر تقصیر اجتہاد بالاصل اجتہادِ معتبر کی تعریف میں ہی نہیں آتا، تو بھلا اس کے نتیجے میں حاصل ہونے والا حکمِ شرعی کیسے معتبر ہو سکتا ہے۔ پس علماء سے غلطیوں کے صدور میں اس وجہ کا دخل ہوتا ہے۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ حدیثِ اول کی شرح میں فرماتے ہیں:

يعني كل جاهل سأل عالماً عن مسألة فأفتاه العالم بجواب باطل فعمل السائل بها ولم يعلم بطلانها فإثمه على المفتي إن قصّر في اجتهاده.[29]

"اس کا مطلب ہے کہ جو کوئی ناواقف کسی عالم سے مسئلہ دریافت کرے اور وہ عالم اسے باطل بات کا فتویٰ دے۔ چونکہ سائل اس فتویٰ کے باطل ہونے

---

[27] الإحكام في أصول الأحكام؛ ج ۴، ص ۱۹۷ [القاعدة الثالثة في المجتهدين وأحوال المفتين والمستفتين؛ الباب الأول في المجتهدين]۔ مزید دیکھیے: المستصفى للإمام الغزالي؛ ج ۲، ص ۳۸۲، تيسير التحرير لأمير بادشاه؛ ج ۴، ص ۱۷۸، شرح التلويح على التوضيح؛ ج ۲، ص ۲۴۵۔

[28] الإحكام في أصول الأحكام؛ ج ۴، ص ۱۹۸[القاعدة الثالثة في المجتهدين وأحوال المفتين والمستفتين؛ الباب الأول في المجتهدين]

[29] مرقاة المفاتيح؛ ج ۱، ص ۵۰۳ [كتاب العلم؛ الفصل الثاني]

کو نہیں جانتا اور اس پر عمل کرلیتا ہے تو ایسے میں گناہ مفتی پر ہوگا کہ اس نے اجتہاد میں تقصیر کی"۔

ایسا عالم اپنی اس غلطی میں گناہ گار ہوتا ہے اور عند اللہ قابلِ گرفت ہے۔

ج: اجتہاد میں خطا

کوئی عالم اجتہاد کی اہلیت رکھتا ہے اور علم میں رسوخ بھی رکھتا ہے لیکن اپنے اجتہاد سے غلط [باطل] حکم اخذ کرلیتا ہے۔ یہ بھی اجتہاد میں تقصیر کی ایک صورت ہے، مگر پہلی سے اس کی نوعیت مختلف ہے۔ کیونکہ اول میں بحث و تمحیص کا حق ادا نہیں ہوا جبکہ یہاں حق ادا ہوا ہے، لیکن نتیجہ غلط اخذ ہوا ہے۔ بالعموم علمائے حق کی غلطیاں اس قبیل سے ہوتی ہیں۔ علامہ مناوی رحمۃ اللہ علیہ 'فیض القدیر' میں اجتہاد میں تقصیر اور اجتہاد میں کمال کے باوجود غلطی کرنے کے فرق کو یوں واضح کرتے ہیں:

الزلة والغلط تارة تقع عن تقصير في الاجتهاد وفاعل ذلك غير مأجور بل مأزور وتارة تقع عن اجتهاد تام لكن وقع فيه الغلط في استحلال محرم أو تحريم حلال أو ترك واجب بتأويل وهو نفس الأمر خطأ فهذا يؤجر على اجتهاده ولا يعاقب على زلته.[30]

"غلطی اور خطا کبھی اجتہاد میں تقصیر کے سبب واقع ہوتی ہے اور ایسا شخص ماجور نہیں بلکہ گناہ گار ہوتا ہے، جبکہ کبھی کامل اجتہاد کے سبب واقع ہوتی ہے، البتہ اس اجتہاد سے کسی حرام کو حلال یا حلال کو حرام قرار دیا جارہا ہوتا ہے، یا کسی واجب کے ترک کا حکم دیا جارہا ہوتا ہے۔ یہ بھی غلطی ہے۔ البتہ ایسے عالم کو اس کے اجتہاد پر عند اللہ اجر ملے گا، اس کی غلطی پر پکڑ نہ ہوگی"۔

'شرح التلویح' میں لکھا ہے:

[30] فيض القدير؛ ج ۱، ص ۱۸۷

(والمخطئ في الاجتهاد لا يعاقب) ... إذ ليس عليه إلا بذل الوسع، وقد فعل، فلم ينل الحق لخفاء دليله إلا أن يكون الدليل الموصل إلى الصواب بينا فأخطأ المجتهد لتقصير منه وترك مبالغة في الاجتهاد، فإنه يعاقب.[31]

"(اجتہاد میں غلطی کرنے والا گناہ گار نہیں)... کہ اس پر اپنی پوری کوشش صرف کرنا واجب تھا جو اس نے کر دی، لیکن دلیل کی پیچیدگی کے سبب حق تک نہیں پہنچ سکا۔ ہاں، اگر حق کی دلیل واضح ہو اور اجتہاد کرنے والا اپنی تقصیر کے سبب یا اجتہاد و تحقیق کی پوری کوشش میں کوتاہی کے سبب غلطی کرے تو وہ گناہ گار ہو گا"۔

اس سے معلوم ہوا کہ جب عالم اجتہاد کا حق ادا کر دے، اب اس کے بعد اس سے غلطی واقع ہو جائے تو ایسے عالم کو عند اللہ اجر ملتا ہے۔ تاہم غلطی پر تنبیہ ہونے کے بعد رجوع کرنا اس پر واجب اور ڈٹے رہنا حرام اور گناہ ہے، اور دوسروں کے لیے اس کی غلطی میں اتباع جائز نہیں، جیسا کہ ہم آگے بیان کریں گے۔

دوم: اصولِ اجتہاد میں غلطی

اگر کوئی عالم اہل السنۃ والجماعۃ کے متفق علیہ اور قطعی اصولِ اجتہاد سے ہٹ کر کوئی اصولِ اجتہاد اپنائے اور اس کے مطابق اجتہاد کر کے مسائل اخذ کرے تو اسے ان مسائل میں غلط قرار دیا جائے گا اور اسے گمراہی تصور کیا جائے گا۔ جیسے دین کے مصادر وماخذ میں 'عقل' کو شامل کر لینا، اجماعِ امت کو حجت تسلیم نہ کرنا، عقلی مصلحتوں کو قرآن وسنت کی نصوص پر مقدم قرار دینا اور ان کی بنیاد پر قرآن وسنت کی صریح نصوص میں معانی ومفاہیم تبدیل کرنا۔

ایسے میں جب اس نے اصولِ اجتہاد ہی میں غلطی کھائی تو اس کے نتیجے میں جو مسائل اخذ ہوں گے، وہ غلط ہوں گے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ 'المستصفیٰ' میں قطعی اصولِ اجتہاد میں مخالفت کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

---

[31] شرح التلويح على التوضيح؛ ج ۲، ص ۲۵۳

وأما الأصولية فنعني بها كون الإجماع حجة وكون القياس حجة وكون خبر الواحد حجة ...... فإن هذه مسائل أدلتها قطعية والمخالف فيها آثم مخطئ.[32]

"قطعی اصولی مسائل سے ہماری مراد اجماع کا حجت ہونا، قیاس کا حجت ہونا، خبرِ واحد کا حجت ہونا وغیرہ ہے۔ ...... ان مسائل کے دلائل قطعی ہیں اور ان میں خلاف کرنے والا غلط اور گناہ گار ہے"۔

سوم: خواہش پرستی

کسی عالم سے غلطی کے ارتکاب کی وجہ خواہشِ نفس سے مرعوب ہو جانا بھی ہوتا ہے، یعنی کوئی شخص خواہشات میں بہہ کر باطل حکم بیان کرے۔ یہ اللہ تعالیٰ سے بے خوفی کی دلیل ہے، یہود کی صفات میں سے ایک بدترین صفت ہے اور اللہ تعالیٰ کے غضب کو دعوت دینا ہے۔ پھر جس کسی پر خواہشاتِ نفسانی کا غلبہ ہو جائے تو یہی عالمِ سوء ہے۔ ایسے ہی شخص کا ذکر قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے ان لفظوں میں کیا ہے:

﴿وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ.وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ۭ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ﴾[الأعراف:۱۷۵،۱۷۶]

"اور (اے رسول) انھیں اس شخص کا واقعہ پڑھ کر سنائیے جس کو ہم نے اپنی آیتیں عطا فرمائیں مگر وہ ان کو بالکل چھوڑ نکلا، پھر شیطان اس کے پیچھے لگا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ گمراہ لوگوں میں شامل ہو گیا۔ اور اگر ہم چاہتے تو ان آیتوں کی بدولت اسے سربلند کرتے، مگر وہ تو زمین ہی کی طرف جھک کر رہ گیا، اور اپنی خواہشات کے پیچھے پڑا رہا۔ اس لیے اس کی مثال اس کتے کی سی ہو گئی کہ اگر آپ اس پر حملہ کریں تب بھی وہ زبان لٹکا کر ہانپے گا، اور اگر اسے (اس کے حال پر) چھوڑ دیں تب بھی زبان

[32] المستصفى من علم الأصول؛ ج ۲، ص ۳۹۹۔ یہی بات احناف کے اصولیین نے بھی لکھی ہے، دیکھیے: تيسير التحرير؛ ج ۴، ص ۱۹۶۔

لٹکا کر ہانپے گا۔ یہ ہے مثال ان لوگوں کی جنہوں
نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہے۔ لہذا آپ یہ واقعات
ان کو سناتے رہیے، تا کہ یہ کچھ سوچیں"۔

چہارم: جبر و اکراہ

بعض احوال میں کوئی عالم کسی مقتدر قوت کی طرف سے جبر کا شکار ہو کر حق بات کی بجائے مقتدر قوت کے موافق باطل حکم بیان کرتا ہے۔ یہ بھی اس عالم کی 'زلۃ' ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ عالم جبر کی وجہ سے اس قول کے اختیار کرنے میں معذور سمجھا جائے، لیکن یہ قول کسی حالت میں بھی صواب نہیں ہو گا، بلکہ اسے عالم کی 'زلۃ' قرار دیا جائے گا۔

اجتہادی اختلاف اور زلۃ العالم میں فرق

یہاں ایک نکتہ جاننا از حد ضروری ہے کہ اجتہادی مسائل جن میں علماء کے درمیان کسی خاص مسئلے میں ایک سے زائد باہم مختلف اقوال ہو سکتے ہیں اور اس اختلاف کی وجہ خود قرآن و سنت و اجماع کی نصوص میں کئی احتمالات کی موجودگی ہوتی ہے، ان میں یہ تمام اقوال شریعتِ اسلامی میں معتبر ہوتے ہیں۔ ان میں سے کسی قول پر غلط اور باطل ہونے کا حکم عائد نہیں ہوتا اور یہ اجتہادی اختلاف جائز اور قابلِ اتباع ہوتا ہے۔ اس کی وجہ علمائے اصول یہ بیان کرتے ہیں کہ یہ اقوال محلِ اجتہاد میں واقع ہوتے ہیں، یعنی نصوص کے احتمالات میں اس کی گنجائش ہوتی ہے۔

چنانچہ جہاں قرآن و سنت کی نصوص میں اجتہادی اختلاف کی گنجائش موجود ہو تو وہاں کسی عالم کے قول یا فتویٰ پر غلط ہونے کا حکم عائد نہیں ہو گا اور اسے معتبر تصور کیا جائے گا۔ جس عالم نے اجتہاد کیا اور نصوص سے کوئی ایک حکم اخذ کیا تو اس پر اس کی اتباع واجب اور دوسروں کے لیے اس کے قول کی اتباع و تقلید جائز ہوتی

ہے، اور کسی مسلمان کو ایسے قول میں اسے ناحق قرار دینے کا حق نہیں۔[33] یہاں ہم اس کی تفصیل میں نہیں جائیں گے، یہ مسئلہ علمائے اسلام کی کتب میں معروف ومذکور ہے۔

اس کے برخلاف 'غلطی' اسے کہتے ہیں جو کسی عالم سے 'محلِ اجتہاد' میں واقع نہ ہو، یعنی وہ قطعی نصوص کے خلاف ہو یا نصوص کی واضح احتمالات کے خلاف ہو۔ امام شاطبی رحمۃ اللہ علیہ 'اجتہادی مسائل' اور 'زلۃ' کے فرق کو واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

أنه لا يصح اعتمادها خلافا في المسائل الشرعية؛ لأنها لم تصدر في الحقيقة عن اجتهاده، ولا هي من مسائل الاجتهاد، وإن حصل من صاحبها اجتهاد، فهو لم يصادف فيها محلا، فصارت في نسبتها إلى الشرع كأقوال غير المجتهد، وإنما يعد في الخلاف الأقوال الصادرة عن أدلة معتبرة في الشريعة، كانت مما يقوى أو يضعف، وأما إذا صدرت عن مجرد خفاء الدليل أو عدم مصادفته فلا، فلذلك قيل: إنه لا يصح أن يعتد بها في الخلاف، كما لم يعتد السلف الصالح بالخلاف في مسألة ربا الفضل، والمتعة، ومحاشي النساء، وأشباهها من المسائل التي خفيت فيها الأدلة على من خالف فيها.[34]

"عالم کی غلطی کو مسائلِ شرعیہ میں جائز اختلاف کے طور پر قبول کرنا درست نہیں، کیونکہ یہ درحقیقت اجتہاد کے نتیجے میں وجود میں نہیں آیا، اور نہ ہی ایسا قول مسائلِ اجتہاد میں سے ہوتا ہے۔ اگرچہ غلطی کے مرتکب سے اجتہاد واقع ہوا ہو، تاہم وہ محلِ اجتہاد میں واقع نہیں ہوا ہے، اور یوں شریعت سے نسبت میں یہ اقوال غیر مجتہد شخص کے اقوال کی طرح ہیں۔ اجتہادی اختلاف میں ایسے قول کو شمار کیا جاتا ہے جو شریعت کے معتبر دلائل کی بنیاد پر وجود پذیر ہو، جن میں کوئی قول قوی اور کوئی ضعیف ہو سکتا ہے۔ جبکہ جو اقوال دلیل ہی کے نہ سمجھنے سے وجود میں آئیں یا دلیل سے مطابقت ہی

---

[33] ان اجتہادی مسائل میں یہ تو ہوتا ہے کہ جو مجتہد جس قول کو اختیار کرتا ہے تو اسے صواب اور اپنے مخالف قول کو خطا قرار دیتا ہے۔ لیکن خطا سمجھنے کے باوجود اسے شریعت میں قابلِ اعتبار جانتا ہے، کہ کسی دوسرے کے لیے اس قول کا اختیار کرنا اور اس کی اتباع کرنا جائز ہوتی ہے۔ یوں اجتہادی مسائل میں خطا کا حکم عائد ہونے اور کسی کے فتویٰ کو زلۃ قرار دینے میں فرق ہے۔

[34] الموافقات؛ ج ۴، ص ۱۷۲

نہ رکھیں تو ایسے اقوال کو اجتہادی اختلاف میں شمار نہیں کیا جاتا۔ اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ عالم کی غلطی کو جائز اختلاف میں شمار کرنا درست نہیں۔ جیسا کہ اسلاف نے ربا الفضل، متعہ، عورتوں سے دبر میں جماع کرنا[35] اور ایسے مسائل میں اختلاف کو درست قرار نہیں دیا کہ ان مسائل میں جن لوگوں نے اختلاف کیا، ان پر دلائل ہی واضح نہیں ہوئے"۔

غلطیوں (زلّات) کے مرتکب علماء کے درجات

غلطیوں کی وجوہات کو مدِ نظر رکھا جائے اور واقعاتی دنیا میں علماء سے ان غلطیوں کا صدور دیکھا جائے تو علماء کے تین درجات بنتے ہیں:

ا۔ علمائے حق

وہ حضراتِ علماء جنھوں نے معتبر اساتذۂ کرام سے علمِ دین حاصل کیا، وہ اہل السنۃ والجماعۃ کے اصولِ اجتہاد پر کاربند ہیں اور ان کی زندگیاں صالحیت اور عمل سے مزین ہیں، ان پر خواہش پرستی کا غلبہ نہیں ہے، یہ علمائے حق ہیں۔ ایسے علماء سے بھی دین کے اصولی وفروعی احکام میں سے کسی حکم میں غلطی ہو سکتی ہے، لیکن علم وکردار کی صالحیت کے سبب ایسی غلطی یا غلطیوں کی وجہ سے وہ علمائے حق کے دائرے سے نکلتے نہیں ہیں۔

[35] اسلاف میں سے بعض علماء حضرات نے ان مسائل میں جواز کا قول اختیار کیا ہے، حالانکہ یہ سب حرام ہیں۔ ایسے میں ان حضرات کے ان اقوال کو 'زلۃ' قرار دیا گیا ہے اور انھیں اجتہادی اختلاف کے طور پر گنجائش نہیں دی گئی ہے۔

۲۔ علمائے ضلالت

وہ حضرات جو اہل السنۃ والجماعۃ کے اصولِ اجتہاد پر کاربند نہیں ہیں، علمائے اسلاف کی آراء کی پیروی (اتباع) کی بجائے اس کے خلاف دین میں نئی باتیں (ابتداع) ایجاد کرتے ہیں۔ ایسے حضرات چاہے قرآن وسنت واجماع کا علم رکھتے ہوں، لیکن جب یہ اسلافِ امت کے اصولِ اجتہاد کے پابند نہیں ہیں تو ان کی آراء میں غلطیاں غالب ہوتی ہیں، عقائد میں بھی گمراہی میں مبتلا ہوتے ہیں اور عملی احکام میں بھی بدعات کے مرتکب ہوتے ہیں۔ سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اسی کی طرف تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا:

وعليكم بالعلم فإن أحدكم لا يدري متى يفتقر إلى ما عنده، وإياكم والتنطع والتعمق وعليكم بالعتيق.[36]

”تمہیں چاہیے کہ علم حاصل کرو، کیونکہ تم میں سے کوئی نہیں جانتا کہ اسے اپنے علم کی کب ضرورت پڑ جائے۔ اور (علم کے معاملے میں) غلو اور بے جا تشدد سے بچو، اور پہلے والوں کے علم سے جڑو“۔

دوسری جگہ یوں فرمایا:

لا يزال الناس صالحين متماسكين ما أتاهم العلم من أصحاب محمد (صلى الله عليه وسلم) ومن أكابرهم، فإذا أتاهم من أصاغرهم، هلكوا.[37]

”لوگ اس وقت تک نیکوکار رہیں گے جب تک کہ انھیں علم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے اور اکابر سے حاصل ہو گا۔ پس جب علم انھیں چھوٹوں سے پہنچے تو وہ ہلاک ہو جائیں گے“۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو پہلے والوں کے علم یعنی اسلافِ امت اور اہل السنۃ والجماعۃ کے علم سے اختلاف کرے اور اس کے مخالف اصولِ اجتہاد اپنائے تو یہ گمراہ ہے اور دوسروں کو گمراہ کرنے والا ہے۔ یوں خود بھی ہلاک ہونے والا ہے اور دوسروں کو بھی ہلاکت میں ڈالنے والا ہے۔

[36] مجمع الزوائد؛ ج ٢، ص ٢٦٦ [كتاب العلم؛ باب في فضل العلماء ومجالستهم]

[37] مجمع الزوائد؛ ج ٢، ص ٣٠٩ [كتاب العلم؛ باب أخذ كل علم من أهله]

پس ایسا کرنے والے علمائے ضال ہیں جن کے لیے علمائے کرام کے یہاں 'اہل البدعۃ' یا 'مبتدعین' کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے۔[38] یہ خود گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔ احادیث میں مذکور 'ائمہ مضلین' کی اصطلاح میں یہ لوگ شامل ہیں۔ سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إنما أخاف على أمتي الأئمة المضلين.[39]

"میں اپنی امت کے بارے میں گمراہ کرنے والے اماموں[40] سے ڈرتا ہوں"۔

اس گمراہی کے ساتھ جہاں خواہشاتِ نفس سے مرعوبیت بھی شامل ہو جائے، جو بیشتر اس صنف میں ہوتی ہے تو یہ سیہ بختی کی کھلی علامت ہے۔

۳۔ علمائے سوء

وہ علماء چاہے انھوں نے علمِ دین معتبر ذرائع سے حاصل کیا ہو اور بظاہر اہل السنۃ والجماعۃ کے اصولِ اجتہاد پر کاربند رہنے کا دم بھی بھرتے ہوں، لیکن ان پر خواہش پرستی کا غلبہ ہو، دنیاوی اغراض سے دینی احکامات بدل دیتے ہوں تو ایسے لوگ ہی علمائے سوء ہیں اور انسانوں میں سے بدترین لوگ ہیں۔ قرآنِ مجید ایسے ہی لوگوں کے متعلق فرماتا ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَآ أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَٰتِ وَالْهُدَىٰ مِنۢ بَعْدِ مَا بَيَّنَّٰهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَٰبِ أُولَٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّٰعِنُونَ﴾ [البقرۃ:۱۵۹]

"بیشک وہ لوگ جو ہماری نازل کی ہوئی روشن دلیلوں اور ہدایت کو چھپاتے ہیں باوجودیکہ ہم انہیں کتاب میں کھول کھول کر لوگوں کے لیے

[38] اہل البدعۃ میں سے وہ لوگ جو علمِ دین سے معروف ہوں، ان میں دو قسم کے لوگ پائے جاتے ہیں؛ ایک وہ جو گمراہیوں کی طرف دعوت بھی دیتے ہیں اور دوسرے وہ جو دعوت نہیں دیتے۔ ان دونوں کے ساتھ تعامل میں بعض احکام مختلف ہیں جن کا ذکر آگے آئے گا۔

[39] سنن أبي داود؛ ج ٦، ص ٣٠٦ [كتاب الفتن، باب ذكر الفتن ودلائلها]

[40] امام کا لفظ امراء اور علماء دونوں میں مشترک ہے، سوائے اس کے کہ سیاق وسباق سے کسی ایک کی تخصیص ہو جائے۔ یہ حدیث اور ایسی دیگر احادیث جن میں فقہاء و محدثین نے 'ائمہ' کا لفظ دونوں معنی میں لیا ہے، انھی کو یہاں علماء کے لیے ذکر کیا جا رہا ہے۔

بیان کر چکے ہیں، تو ایسے لوگوں پر اللہ بھی لعنت بھیجتا ہے اور دوسرے لعنت کرنے والے بھی لعنت بھیجتے ہیں"۔

آگے فرمایا:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۙ اُولٰٓئِكَ مَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾[البقرة:۱۷۴]

"حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب کو چھپاتے ہیں اور اس کے بدلے تھوڑی سی قیمت وصول کر لیتے ہیں، وہ اپنے پیٹ میں آگ کے سوا کچھ نہیں بھر رہے۔ قیامت کے دن اللہ ان سے کلام بھی نہیں کرے گا، اور نہ ان کو پاک کرے گا، اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے"۔

رسول اللہ ﷺ کی احادیث میں ایسوں کو ہی منافق علیم اللسان کے نام سے جانا گیا ہے۔ مسند احمد کی روایت میں الفاظِ نبوی ﷺ ہیں:

إن أخوف ما أخاف على أمتي كلَّ منافق عليم اللسان.[41]

"میں اپنی امت کے بارے میں سب سے زیادہ جس بات سے ڈرتا ہوں، وہ ہے ہر علم رکھنے والا منافق"۔

یہ وہ بدترین لوگ ہیں جو دینِ اسلام میں بگاڑ کا سب سے بڑا ذریعہ ہیں۔ اگر کفار دین پر خارج سے حملہ آور ہیں تو یہ لوگ دین پر داخل سے حملہ آور ہیں۔ امام عبد اللہ بن مبارک نے انھی کے متعلق شعر کہا تھا:

وهل أفسد الدين إلا الملوك

وأحبار سوء و رهبانها

[41] مسند أحمد؛ ج ۱، ص ۲۸۹ [مسند عمر بن الخطاب رضي الله عنه]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی روایت جو اوپر لکھی گئی ہے، اس میں آپ نے علماء کی انھی تین اصناف کو الگ الگ ذکر کیا ہے۔ اس میں عالم کی غلطی کے بعد منافق کا قرآن کی مدد سے جدال اور گمراہ کرنے والے امام کا ذکر ہے۔ عالم کی غلطی سے مراد عالمِ حق کی غلطی ہے، جبکہ منافق قرآن کا علم رکھنے والا عالمِ سوء ہے اور آخر میں گمراہ کرنے والے علماء کا ذکر کیا ہے۔

ان آخر الذکر اصناف کے ساتھ علماء کا لفظ محض اس وجہ سے لگایا جاتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو علمِ دین سے منسوب کرتے ہیں، وگرنہ در حقیقت وہ اس لائق نہیں ہیں کہ انھیں علماء کے لفظ سے موسوم کیا جائے۔ اور یہ دونوں اصناف ہی علمائے سوء کے وسیع معنی میں داخل ہیں، جن سے متعلق احکامات فصلِ چہارم میں ذکر کیے جائیں گے۔

فصل سوم: علمائے حق کی غلطیوں کی بابت درست طرزِ عمل

علمائے حق کی غلطیوں سے متعلق طرزِ عمل کے نکات ذیل میں ذکر کیے جا رہے ہیں:

اول: علماء کی غلطیوں کا تعین کرنا علماء ہی کا کام ہے

کسی بھی عالم کی غلطی کا تعین کرنا اور یہ حکم لگانا کہ فلاں عالم نے فلاں مسئلے میں غلطی کی ہے، یہ علمائے راسخین کا کام ہے۔ عوام اور طلابِ علم کا کام نہیں ہے۔ امام شاطبی □ فرماتے ہیں:

فإن قيل: فماذا يعرف من الأقوال ما هو كذلك مما ليس كذلك؟
فالجواب: أنه من وظائف المجتهدين فهم العارفون بما وافق أو خالف وأما غيرهم فلا تمييز لهم في هذا المقام.[42]

"اگر پوچھا جائے کہ علمائے کرام کے اقوال میں سے کیسے معلوم ہو گا کہ کون سا قول غلطی ہے اور کون سا جائز اجتہادی قول؟ پس اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بتانا مجتہد علماء کا کام ہے، کیونکہ وہی جانتے ہیں کہ کیا قرآن وسنت کے موافق ہے اور کیا مخالف ہے۔ ان کے سوا دوسرے لوگ اس کے تعین کی اہلیت نہیں رکھتے"۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ کسی عالم کی غلطی کا تعین کرنے کے لیے بھی علم میں رسوخ چاہیے۔ کسی مسئلے میں اجتہاد کی گنجائش ہو سکتی ہے، مصالح و مفاسد کی بنیاد پر تغیرِ حکم ہو سکتا ہے، عرف کا اعتبار ہو سکتا ہے، نصوص میں احتمال ہو سکتا ہے؛ ایسے میں کوئی عامی فرد یا طالبِ علم اپنی کم علمی کی بنیاد پر کسی کو غلطی پر سمجھ رہا ہو گا،

[42] الموافقات؛ ج ۴، ص ۱۷۳

حالانکہ وہ عالم اپنی رائے میں صائب ہو گا۔ عوام یا طلابِ علم چونکہ علمِ دین میں وہ مرتبہ نہیں رکھتے جس کی بنیاد پر وہ کسی مسئلے میں صواب و خطا کا درست تعین کر سکیں، اسی لیے قوی اندیشہ ہے کہ وہ علمائے کرام کی آراء میں صواب و خطا کے تعین میں غلطی کریں گے۔

اس دور میں معلومات کے سیلاب اور اعجاب بالرائے کے مرض کے افشا کے سبب بیشتر دیکھنے میں آتا ہے کہ لوگ دوسرے پر غلطی کا الزام عائد کر رہے ہوتے ہیں جبکہ وہ خود غلطی پر ہوتے ہیں۔ یہی معاملہ دین کے مسائل اور علماء سے تعامل میں بھی دیکھنے کو ملتا ہے، بالخصوص علماء کی آراء میں ان کی واقعاتی صورتحال اور ان کے مقصود و مدعا کو سمجھنے میں غلطی ہو جاتی ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ علماء پر غلطیوں کا حکم عائد کرنا انھی علماء کے لیے چھوڑا جائے جو نہ صرف علمِ دین میں رسوخ رکھتے ہوں، بلکہ انسانی تعامل کا اچھا تجربہ رکھتے ہوں۔ انھی علماء کی پیروی میں عوام اور طلابِ علم دوسرے علماء کی غلطیوں کو جانیں اور ان کی غلطیوں کو سمجھیں۔

دوم: مسلمان غلطیوں میں علماء کی پیروی نہ کریں

جب معلوم ہو جائے کہ کسی عالم کا قول یا فتویٰ غلط ہے، تو اب اس کے بعد کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ اس قول میں وہ اس عالم کی اتباع کرے۔ 'زلۃ العالم' کی شناعت کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ عالم کی غلطی کی وجہ سے دوسرے مسلمان غلطی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے عربی کا مقولہ ہے: زلّة العالِم زلّة العالَم یعنی 'عالِم کی غلطی پورے عالَم کی غلطی ہوتی ہے'۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:

ويل للأتباع من عثرات العالم. قيل: وكيف ذاك؟ قال: يقول العالم شيئاً برأيه ثم يجد من هو أعلم منه برسول الله صلى الله عليه وسلم فيترك قوله ذلك ، ثم يمضي الأتباع.[43]

"تباہی ہے ان لوگوں کے لیے جو علماء کی غلطی میں ان کی اتباع کرتے ہیں۔ پوچھا گیا: یہ کیسے؟ فرمایا: کوئی عالم کوئی فتویٰ اپنی رائے سے دیتا ہے، بعد میں اسے کوئی دوسرا عالم مل جاتا ہے جو اس کی نسبت

[43] جامع بيان العلم وفضله؛ ص ۹۸۴

رسول اللہ ﷺ کی سنت کا زیادہ جاننے والا ہوتا ہے تو (اس کے قول پر) وہ اپنے غلط قول سے رجوع کرلیتا ہے، جبکہ اس کے ماننے والے اسی غلط قول پر کھڑے رہ جاتے ہیں"۔

امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ومن المعلوم أن المَخُوفَ في زلة العالم تقليده فيها إذ لولا التقليد لم يُخَف من زلة العالم على غيره فإذا عَرَف أنها زلة لم يجز له أن يتبعه فيها باتفاق المسلمين فإنه اتباع للخطأ على عمد ومن لم يعرف أنها زلة فهو أعذر منه وكلاهما مفرط فيما أمر به.[44]

"یہ بات واضح ہے کہ عالم کی غلطی میں بنیادی خطرہ اس بات کا ہے کہ اس کی تقلید ہوگی۔ اگر اس کی تقلید کا امکان نہ ہوتا تو عالم کی غلطی سے دوسروں کے لیے نقصان کی بات نہ ہوتی۔ پس جب معلوم ہوجائے کہ یہ غلطی ہے تو باتفاقِ مسلمین ناجائز ہے کہ اس قول کی اتباع کی جائے۔ کیونکہ یہ جانتے بوجھتے غلطی کی پیروی کرنا ہے، اور جو کوئی نہ جانتا ہو کہ یہ عالم کی غلطی ہے تو اسے کچھ عذر ہو گا، مگر یہ دونوں پیروی کرنے والے (ایک جانتے بوجھتے اور دوسرا انجانے میں) شرعی حکم میں کوتاہی کرنے والے ہیں"۔

[44] إعلام الموقعين؛ ج ٣، ص ٣٥٤

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

من تتبّع رُخَص المذاهِب وزلاّت المجتهدين فقد رقَّ دِينه.[45]

"جو کوئی مذاہبِ فقہاء میں سے ضعیف اقوال اور مجتہدین کی غلطیوں کی پیروی کرتا ہے تو اس نے اپنا دین تباہ کر دیا"۔

علامہ مناوی رحمۃ اللہ علیہ 'فیض القدیر' میں لکھتے ہیں:

[اتقوا زلة العالم]... إذ بزلته يزل عالم كثير لاقتدائهم به فهفوته يترتب عليها من المفاسد ما لا يحصى وقد يراقبه للأخذ عنه من لا يراه ويقتدي به من لا يعلمه فاحذروا متابعته عليها والاقتداء به فيها.[46]

"[عالم کی غلطی سے ڈرو]... کہ اس کی غلطی کے سبب پورا جہان اس کی پیروی میں غلطی میں پڑ جاتا ہے۔ پس اس کی غلطی سے اتنے مفاسد پیدا ہوتے ہیں جنھیں شمار نہیں کیا جا سکتا۔ کوئی بھی شخص اس کی پیروی کرنے لگے گا جو اس کی غلطی نہ جانتا ہو گا۔ پس غلطی میں کسی عالم کی پیروی کرنے اور اس کی اقتداء کرنے سے باز رہو"۔

لہٰذا عالم کی غلطی میں اس کی پیروی کرنا جائز نہیں ہے۔ اور یہ کہہ دینا کہ فلاں عالم کا قول ہے، اب ہماری ذمہ داری نہیں ہے اور ہمارے لیے جائز ہے کہ اس پر عمل کر لیں، یہ کسی طرح جائز نہیں۔ علامہ مناوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وعلم من ذلك أنه لا عذر لنا في قولنا إن أكلنا الحرام فالعالم الفلاني يأكله مثلا قال الغزالي: في هذا جهل وكيف يتعذر بالاقتداء بمن لا يجوز الاقتداء به فإن من خالف أمر الله تعالى لا يقتدى به كائنا من كان ولو

"اور معلوم ہوا کہ ہمارے لیے یہ کہنے میں عذر نہیں ہے کہ اگر ہم حرام کھا رہے ہیں تو فلاں عالم نے بھی کھایا ہے۔ امام غزالی فرماتے ہیں: یہ جہالت کی بات ہے۔ کیسے کسی شخص کی اس معاملے میں

---

[45] سير أعلام النبلاء؛ ج ٨، ص ٩٠

[46] فيض القدير؛ ج ١، ص ١٤٠

دخل غيرك النار وأنت تقدر على أن لا تدخلها فلا عذر لك في موافقته.[47]

اتباع کی جاسکتی ہے جس کی اتباع شریعت میں جائز نہیں۔ جو کوئی اللہ کے حکم کی مخالفت کرے، اس میں اتباع کسی حال میں نہیں ہوتی۔ اگر کوئی دوسرا آگ میں داخل ہو جائے اور تمہیں قدرت ہو کہ تم آگ میں داخل نہ ہو، تو اس شخص کی اتباع میں تمہارے لیے کوئی عذر نہ ہو گا"۔

سوم: علماء و عوامِ مسلمین غلطی کے مرتکب عالم کے ساتھ حسنِ ظن رکھیں

کسی بھی عالمِ حق سے جب کوئی غلطی ہو جائے تو یہ رویہ نہیں ہونا چاہیے کہ اسے اس میں مطعون کیا جائے اور اس کے متعلق یہ رائے رکھی جائے کہ یہ جانتے بوجھتے غلط بات کرتا ہے۔ بلکہ چاہیے کہ اس عالم کے بارے میں حسنِ ظن رکھا جائے اور اس کے لیے عذر تلاش کیا جائے۔

جہاں عام مسلمان کے بارے میں بھی شریعت کا یہ حکم ہے کہ اس کی غلطی میں بھی اس کے لیے عذر تلاش کیا جائے تو عالم کا حق زیادہ ہے کہ اس کی غلطیوں میں اس کے لیے عذر تلاش کیا جائے۔ کوئی عالم ایسا نہ ہو گا جس سے علمِ دین کے معاملے میں کوئی غلطی نہ ہوئی ہو۔ اگر ایسی ہی غلطیوں کی وجہ سے علماء کی شخصیتوں کو گرا دیا جائے تو تاریخِ اسلامی میں کسی عالم کا بھی اعتبار باقی نہیں رہے گا۔ مقصود تو عالم کا مجموعی کردار ہے۔ جب وہ عالم اپنی زندگی میں نیکی و پرہیز گاری پر کاربند ہے، علمِ دین کے معاملے میں بھی رسوخ رکھتا ہے اور خدا خوفی رکھتا ہے، اس کی مجموعی زندگی کے متعلق لوگوں کی بڑی تعداد کی گواہی ہے کہ وہ صالح ہے، ایسے میں اگر اس سے کوئی غلط فتویٰ صادر ہو جائے تو اس کے ساتھ حسنِ ظن رکھنا چاہیے اور اسے عذر دینا چاہیے۔ ایسے عالم کے بارے میں یہی گمان ہو سکتا ہے کہ اس کی غلطی کی وجہ یا اس کا اجتہاد ہو گا یا ریاستی جبر۔ اور یہ دونوں عذر شریعت کی نظر میں مقبول ہیں۔ ایسے میں عالم کی غلطی اپنی جگہ، اس کی غلطی میں اتباع بھی ناجائز، لیکن اس عالم

---

[47] حوالہ سابق

کا احترام لازم اور اسے ہر ایسا الزام دینے سے بچنا لازم ہے جس سے اس کی شخصیت مجروح ہو۔ امام شاطبی □ لکھتے ہیں:

كما أنه لا ينبغي أن ينسب صاحبها إلى التقصير، ولا أن يشنع عليه بها، ولا ينتقص من أجلها، أو يعتقد فيه الإقدام على المخالفة [بحتا]، فإن هذا كله خلاف ما تقتضي رتبته في الدين.[48]

"اور ضروری ہے کہ ایسے عالم کی طرف کوتاہی کی نسبت نہ کی جائے، اور اس غلطی کی بنا پر اسے طعنہ نہ دیا جائے، اس کی تنقیص نہ کی جائے اور اس کے بارے میں یہ گمان نہ کیا جائے کہ اس نے جانتے بوجھتے ہی شریعت کی مخالفت کی ہے۔ دین میں اس کا جو مقام ہے، یہ تمام باتیں اس کے خلاف ہیں"۔

اس کے بعد امام شاطبی رحمۃ اللہ علیہ امام عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ ذکر کرتے ہیں کہ انھوں نے نبیذ کی حرمت و حلت کے مسئلے میں بعض حضرات سے بات کی جو اس کی حلت کے قائل تھے، جبکہ امام عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے صحابہ کے صحیح اقوال سے حرمت بتلادی۔ اس پر جواب میں کہنے والوں نے کہا: تو کیا امام نخعی رحمۃ اللہ علیہ، امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ اور بعض دوسرے حضرات کے نام لیے کہ یہ حرام پیتے تھے؟ امام ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کسی مسئلے میں دلائل لاتے ہوئے افراد کے نام مت لیا کرو، کیا خبر کہ کسی آدمی کے اسلام میں بہت مناقب ہوں، بڑا مرتبہ ہو، جبکہ اس سے کوئی ایک آدھ کوتاہی بھی ہوئی ہو، تو بھلا اس کوتاہی سے بھی دلیل پکڑی جاسکتی ہے۔

یعنی کوتاہی کسی بھی انسان سے ہو سکتی ہے، اور علماء بھی انسان ہیں۔ بڑے سے بڑے عالم سے کوتاہی ہوسکتی ہے، لیکن جب اس عالم کی دین کے لیے اخلاص اور خدمات موجود ہوں تو اس کی حیثیت نہیں گرانی چاہیے، ہاں اس کی کوتاہی میں اس کی بات نہیں مانی جائے گی۔

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

---

[48] الموافقات؛ ج ۴، ص ۱۷۰

ليس لأحد أن يتبع زلات العلماء كما ليس له أن يتكلم في أهل العلم والإيمان إلا بما هم له أهل.[49]

''کسی کے لیے جائز نہیں کہ علماء کی غلطیوں کی اتباع کرے، جیسا کہ یہ جائز نہیں کہ وہ اہلِ علم و ایمان کے بارے میں منفی بات کرے جو ان کے شایانِ شان نہ ہو''۔

علامہ مناوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

فاحذروا متابعته عليها والاقتداء به فيها ولكن مع ذلك احملوه على أحسن المحامل وابتغوا له عذرا ما وجدتم لذلك سبيلا.[50]

''پس غلطی میں کسی عالم کی پیروی کرنے اور اس کی اقتداء کرنے سے باز رہو، لیکن اس کے باوجود اس کی غلطی کو اچھے معنی پر محمول کرو اور اس عالم کے لیے جہاں تک ممکن ہو، عذر تلاش کرو''۔

امام ذہبی □ ایک جگہ تمام باتوں کو جمع کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

إن الكبير من أئمة العلم إذا كثر صوابه، وعلم تحريه للحق، واتسع علمه، وظهر ذكاؤه، وعرف صلاحه وورعه واتباعه، يغفر له زلله، ولا نضلله ونطرحه وننسى محاسنه. نعم، ولا نقتدي به في بدعته وخطئه، ونرجو له التوبة من ذلك.[51]

''علمائے کرام میں سے اکابر اہلِ علم جن کی آراء میں صواب ہونے کا غلبہ ہو، جن کی حق کی جستجو معلوم ہو، جن کا علم مشہور ہو، جن کی ذکاوت سب پر عیاں ہو، جن کی نیکی و تقویٰ و اطاعت گزاری معروف ہو، ان کی غلطیوں سے در گزر کیا جائے گا۔ ہم انھیں گمراہ نہیں کہیں گے، نہ ان کی (دینی) حیثیت کم کریں گے اور نہ ہی ان کی اچھائیوں کو بھلا دیں گے۔ ہاں، اتنا ضرور ہے کہ ہم ان کی بدعت اور

---

[49] الفتاوى الكبرى؛ ج ۴، ص ۴۲۳

[50] فيض القدير؛ ج ۱، ص ۱۴۰

[51] سير أعلام النبلاء؛ ج ۵، ص ۲۷۱

گمراہی میں ان کی اتباع نہیں کریں گے اور ان کے
لیے اس غلطی سے توبہ کی امید رکھیں گے"۔

ظلم وجبر کے حالات میں رخصت پر عمل کرنے کا عذر

حسنِ ظن میں یہ بھی شامل ہے کہ سختی کے وقت میں جب علماء ظلم وگمراہی کے مقابلے میں خاموش ہو جائیں یا خلافِ حق بات کہہ دیں تو ان کے ظاہر کے مطابق ان پر حکم نہ لگایا جائے بلکہ انھیں رخصت پر عمل کرنے کا عذر دیا جائے۔ جبر کی حالت میں تو شریعت نے کلمۂ کفر کہنے کی بھی رخصت دی ہے، اور کہنے والا کافر نہیں ہو جاتا جبکہ اس کے دل میں ایمان پکا ہو۔

علماء کے باب میں اس کی مثالیں ہمیں تاریخِ اسلام میں کئی مواقع پر ملتی ہی۔ بڑی مثال خلقِ قرآن کے مسئلے میں ملتی ہے، جب کبار علماء نے تعذیب سے بچنے کے لیے خلقِ قرآن کی حمایت کی تھی۔ اور محض چند علماء جن کے سرخیل امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ تھے، نے آخر وقت تک حق کا مسلک نہیں چھوڑا اور ہر طرح کا ظلم وتعذیب برداشت کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔

اس وقت کے کبار علماء میں سے جو خلقِ قرآن کی حمایت پر مجبور ہوئے، امت کے بہت بڑے محدث اور جرح وتعدیل کے امام علی بن المدینی رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے۔ ان سے متعلق امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب 'سیر اعلام النبلاء' میں کئی روایات ذکر کی ہیں، ان میں سے ایک ابن عمار موصلی رحمۃ اللہ علیہ سے ذکر کی ہے، کہ وہ فرماتے ہیں:

"مجھے علی بن المدینی نے کہا: 'تم جہمیہ کی تکفیر کیوں نہیں کرتے؟' میں پہلے پہل جہمیہ کی تکفیر نہیں کرتا تھا۔ پھر جب علی بن المدینی خلقِ قرآن کی آزمائش میں مبتلا ہو گئے، تو میں نے انھیں خط لکھا اور انھیں ان کی بات بھی یاد دلائی (جو مجھے کہا کرتے تھے) اور اللہ کا خوف بھی دلایا۔ بعد میں مجھے ایک شخص نے ان کی بابت بتایا کہ جب انھوں نے میرا خط پڑھا تو رو دیے۔ پھر جب میری ان سے ملاقات ہوئی تو کہنے لگے: میرے دل میں وہ بات نہیں ہے جو میں نے کہی یعنی خلقِ قرآن کی حمایت۔ لیکن میں موت سے ڈر گیا تھا۔ اور تم تو میرا ضعف جانتے ہو کہ اگر مجھے ایک کوڑا بھی مارا گیا تو میں مر جاؤں گا"۔

ابن عمار فرماتے ہیں کہ علی بن المدینی نے یہ رائے دین سمجھتے ہوئے نہیں اختیار کی تھی، بلکہ خوف نے انھیں ایسا کرنے پر مجبور کیا تھا۔[52]

پس امام علی بن المدینی رحمۃ اللہ علیہ کو اس رائے میں کسی نے درست نہیں جانا، اسے ان کی غلطی قرار دیا، اپنے دور میں علماء نے انھیں ان کی غلطی باور بھی کروائی، ان سے ناراضی کا اظہار بھی کیا لیکن اس کے باوجود علمِ دین کے معاملے میں ان کا مقام نہیں گرایا اور نہ ہی انھیں بے حیثیت کیا، بلکہ انھیں علمِ حدیث میں پیشوا و مقتدیٰ تسلیم کیا۔ اور آج تک امت اسماء ورجال اور جرح وتعدیل کے فن میں انھیں امام مانتی ہے اور ان کی آراء پر عمل کرتی ہے۔ یہ ایک مثال ہے، ایسی کئی مثالیں موجود ہیں۔ اور یہ جبر ہر دور میں علماء کو درپیش رہا ہے۔ خود مسلمان حکمرانوں کی طرف سے بھی درپیش رہا ہے اور آج تو کفار اور ان کے آلہ کار طاغوتی حکمرانوں کی طرف سے جبر کی انتہا ہوتی ہے، ایسے میں اس جبر کے تحت اگر کوئی عالمِ حق غلط فتویٰ دے دے، تو اسے فتویٰ میں غلط سمجھا جائے گا، لیکن جبر کا عذر دیتے ہوئے اس کے ساتھ حسنِ ظن رکھا جائے گا اور اس کی شخصیت بالکلیہ مجروح نہیں کی جائے گی۔

چہارم: غلطی کے مرتکب علماء کی دیگر مسائل میں پیروی کی جائے گی

جن علماء سے کسی خاص مسئلہ یا مسائل میں غلطی ہو جائے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اب ان علماء کی دینی مسائل میں کوئی رائے یا فتویٰ معتبر نہ سمجھا جائے گا۔ بلکہ غلط فتویٰ کے علاوہ ان علماء کے دیگر فتاویٰ واجب الاتباع ہیں۔ اور مسلمانوں کا ان سے دین سیکھنا لازم ہے۔

اگر علماء کی غلطی کی وجہ سے ان کی تمام آراء اور فتاویٰ کو رد کیا جانے لگے تو دین ہی غیر محفوظ ہو جائے گا اور لوگ اپنی مرضی سے دین کے مسائل اور تعلیمات گھڑنا شروع کر دیں گے۔ اس کے نتیجے میں دین پر جو آفت آتی ہے، وہ کسی صاحبِ عقل سے مخفی نہیں۔

---

[52] سیر أعلام النبلاء؛ ج ١١، ص ٥٧

فصل چہارم: علمائے سوء کی پہچان اور ان کے ساتھ تعامل کے اصول

علمائے حق اور علمائے سوء میں معیارِ امتیاز

اوپر کے بیان سے ہمیں معلوم ہوا ہے کہ علمائے حق اور علمائے سوء میں امتیاز کرنے والی دو باتیں ہیں:

اول: گمراہی

دوم: خواہش پرستی

گمراہی اس معنی میں کہ علمِ دین سے معروف کسی شخص پر سنت وجماعتِ صحابہ اور اسلافِ امت کی مخالفت کا غلبہ ہو اور خواہش پرستی اس معنی میں کہ کسی شخص کے اقوال وافعال میں نفسانی خواہش کا غلبہ ہو۔ یہ دونوں باتیں علمائے حق کو علمائے سوء سے الگ کرتی ہیں۔ قرآن وحدیث میں جابجا ان دونوں باتوں پر تنبیہ کی گئی ہے اور بالعموم گمراہی میں بھی خواہش پرستی کا عمل دخل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿أَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَـٰهَهُ هَوَاهُ وَأَضَلَّهُ اللَّهُ عَلَىٰ عِلْمٍ﴾[الجاثية:٢٣]

”کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنالیا اور اللہ نے اسے علم کے باوجود گمراہ کر دیا“۔

﴿أَفَمَن كَانَ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّهِ كَمَن زُيِّنَ لَهُ سُوٓءُ عَمَلِهِ وَاتَّبَعُوٓا أَهْوَآءَهُم﴾[محمد:١٤]

”بھلا بتاؤ کہ جو لوگ اپنے پروردگار کی طرف سے ایک روشن راستے پر ہوں، کیا وہ ان جیسے ہو سکتے ہیں جن کی بدعملی ہی ان کے لیے خوشنما بنا دی گئی ہو، اور وہ اپنی نفسانی خواہشات کے پیچھے چلتے ہوں؟“

یہ وہ بیماری ہے جو سیدنا موسیٰ علیہ السلام وسیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکاروں میں پیدا ہوئی اور ان کا اہلِ علم طبقہ اس میں مبتلا ہوا۔ وہ خود بھی گمراہ ہوئے، دوسروں کو بھی دینِ خالص کی تعلیمات سے برگشتہ کر دیا اور الٰہی احکامات کی بجائے خود اپنی خواہشات کو دین بنا کر لوگوں میں پھیلایا۔

اللہ تعالیٰ نے اہلِ اسلام کو اس کردارِ بد سے خبر دار کیا اور اسے غیر اللہ کی عبادت سے تعبیر کیا۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ آل عمران میں ان کا ذکر کرنے کے بعد اپنے نبیوں اور ان کے واسطے ان کے پیروکار علماء سے فرمایا:

﴿مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ﴾[آل عمران:۷۹]

"یہ کسی بشر کا کام نہیں کہ اللہ تو اسے کتاب اور حکمت اور نبوت عطا کرے، اور وہ اس کے باوجود لوگوں سے کہے کہ اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ۔ اس کے بجائے (وہ تو یہی کہے گا کہ) اللہ والے بن جاؤ، کیونکہ تم جو کتاب پڑھاتے رہے ہو اور جو کچھ پڑھتے رہے ہو، اس کا یہی نتیجہ ہونا چاہئے"۔

امام ابن کثیر □ اس آیت کے تحت لکھتے ہیں:

فالجهلة من الأحبار والرهبان ومشايخ الضلال يدخلون في هذا الذم والتوبيخ، بخلاف الرسل وأتباعهم من العلماء العاملين.[53]

'جاہل احبار و رھبان اور گمراہ مشائخ آیت میں بیان کردہ مذمت میں داخل ہیں، بر خلاف رسولوں اور ان کے پیروکار باعمل علماء کے"۔

شیخ عبد اللہ عزام شہید رحمۃ اللہ علیہ علماء کی ان دونوں اصناف سے متعلق فرماتے ہیں:

والعلماء صنفان: صنف ورث النبوة فحفظ الله بهم دينه, والعلماء ورثة الأنبياء, وصنف سلكوا سبيل الرهبان والأحبار

"علماء کی دو قسمیں ہیں؛ ایک قسم کے وہ علماء جنھوں نے نبوی میراث پائی اور اللہ تعالیٰ نے ان کی بدولت اپنے دین کو محفوظ کیا۔ یہی علماء انبیاء کے

[53] تفسير ابن كثير؛ ج ٢، ص ٦٦

فأفسدوا الدين وباعوه بثمن بخس دراهم معدودة.[54]

وارث ہیں۔ اور دوسری قسم وہ ہے جنھوں نے احبار (یہود کے علماء) اور رہبان (نصاریٰ کے راہبوں) کا راستہ اختیار کیا، پس انھوں نے دین کو فساد زدہ کر دیا اور گنتی کے چند درہموں کی کم قیمت میں دین کو بیچ ڈالا"۔

علمائے سوء کی صفات

ہم نے جان لیا کہ وہ حضرات جو علمِ دین سے متصف ہیں، لیکن ان پر خواہشاتِ نفسانی کا غلبہ ہے اور دینی احکامات کے بیان میں دین کو اپنے اوپر غالب کرنے کی بجائے وہ اپنی خواہشات کو دلیل بناتے ہیں اور اسی کے مطابق دینی احکامات کو بدل دیتے ہیں، علمائے سوء ہیں۔ یہ تو عمومی پہچان ہے، البتہ اس کی بعض علامتیں ہیں، بعض مظاہر وصفات ہیں جن سے علمائے سوء پہچانے جاسکتے ہیں۔ ان تمام کا حصر تو مشکل ہے، لیکن بڑی علامات درج ذیل ہیں۔

بے دین حکمرانوں سے قربت

سب سے بڑی علامت یہ ہے کہ ایسے علماء وقت کے جابر اور بے دین حکمرانوں سے قربت کا تعلق بناتے ہیں، ان سے میل جول رکھتے ہیں، ان کی رضاجوئی کرتے ہیں، ان کے صریح منکرات میں ان کی حمایت کرتے ہیں اور اس سب کے بدلے ان کی مرضی کے مطابق دین کے احکامات بیان کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا تھا:

اسمعوا، هل سمعتم أنه سيكون بعدي أمراء فمن دخل عليهم فصدَّقهم بكذبهم، وأعانهم على ظلمهم فليس مني ولستُ منه، وليس بواردٍ علي الحوض، ومن لم يدخل

"بات سنو، کیا تم سنتے ہو! میرے بعد عنقریب ایسے حکمران آئیں گے جو ان کے پاس جائے گا، ان کے جھوٹ کو سچ کہے گا اور ان کے ظلم میں ان کی

[54] في ظلا ل سورة التوبة

عليهم ولم يُعنهم على ظلمهم، ولم يصدقهم بكذبهم فهو مني وأنا منه، وهو واردٌ علي الحوض.[55]

معاونت کرے گا، پس وہ مجھ سے نہیں اور نہ میں اس سے ہوں اور وہ (روزِ قیامت) حوض پر مجھ سے نہیں ملے گا۔ اور جو کوئی ایسے حکمرانوں کے پاس نہیں جائے گا، نہ ظلم میں ان کی معاونت کرے گا اور نہ ان کے جھوٹ کو سچ کہے گا تو وہی مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں اور وہی حوض پر میرے پاس آئے گا"۔

مسند احمد کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَن بدا جفا، ومن تبع الصيد غفل، ومن أتى أبواب السلطان افتتن، وما ازداد عبدٌ من السلطان قرباً إلا ازداد من الله بُعداً.[56]

"جو شخص جنگل میں رہے گا تو اس کا دل سخت ہو جائے گا، جو شکار کے پیچھے دوڑے گا تو وہ (امورِ دینیہ سے) غافل ہو جائے گا اور جو حکمران کے دروازے پر جائے گا تو وہ فتنے میں مبتلا ہو گا، اور جو بندہ جس قدر حکمران سے قرب اختیار کرے گا تو وہ اتنا ہی رب تعالیٰ سے دور ہوتا جائے گا"۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے:

الدُّنْيَا دَاء وَالسُّلْطَان دَاء، والعالم طبيبه، فَإِذا رَأَيْت الطَّبِيب يجر الدَّاء إِلَى نَفسه فاحذره.[57]

"دنیا بیماری ہے اور حکمران بیماری ہے، جبکہ عالم ان بیماریوں کا طبیب ہے۔ پس جب تم دیکھو کہ طبیب

---

[55] سنن الترمذي؛ ج ۴، ص ۱۰۹ [أبواب الفتن]

[56] مسند أحمد؛ ج ۱۴، ص ۴۳۰ [مسند أبي هريرة رضي الله عنه]

[57] الآداب الشرعية لابن مفلح؛ ج ۱، ص ۳۶۳

خود اپنے آپ کو بیماری میں مبتلا کر رہا ہے تو اس سے خبر دار ہو جاؤ“۔

اس موضوع سے متعلق بہت سی احادیث مروی ہیں جن میں سے بعض کی سند صحیح اور مرفوع ہے، اور بیشتر کی سند میں کلام ہے۔ مجموعی اعتبار سے یہ ثابت شدہ نبوی حکم ہے کہ فاسق و بے دین حکمرانوں سے قربت جائز نہیں اور علماء کے حق میں یہ حکم تاکیدی ہے۔ اس موضوع کی بہت سی احادیث امام بن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب 'الجامع في بيان العلم وفضله' میں جمع فرمائی ہیں۔ نیز اسی موضوع کی احادیث اور آثار کے لیے علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے الگ رسالہ لکھا ہے، جس کا نام ہے: 'ما رواه الأساطين في عدم المجيء إلى السلاطين'۔ اس کا اردو ترجمہ 'حکمرانوں کی قربت سے بچو' کے عنوان سے نشر شدہ ہے۔

اس موضوع کی احادیث میں بالعموم فاسق حکمرانوں کا ذکر ہے، جبکہ جو حکمران سیکولر اور مرتد ہوں... جیسا کہ موجودہ دور کے حکمرانوں کا معاملہ ہے... تو ان کے بارے میں یہ حکم مزید تاکیدی ہو جائے گا۔ شیخ عطیۃ اللہ لیبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

إذا رأيت العالم يغشى أبواب السلاطين الفجرة، بلهَ الكفرة، ويتردد عليهم ويصاحبهم، فاحذره حذراً شديداً، فإذا رأيته يكثر من ذلك ويقبل عطاياهم ومنهم ويتقرب إليهم ويحرص على ذلك فاهرب منه واطّرحه، فإذا رأيته مع ذلك يسكت على فسادهم ومنكراتهم المتعددة ويداهنهم ويثني عليهم ويخفي سواءتهم ويمدحهم فكبّر عليه أربعاً أو خمساً، فإن رأيته مع ذلك يسوّغ منكرهم ويحامي عن باطلهم

”جب تم دیکھو کہ کوئی عالم بے دین بلکہ کافر حکمرانوں کے دروازوں پر جاتا ہے، ان سے میل جول رکھتا ہے، ان کی مجلسوں میں آتا ہے، پس اس سے خوب بچو۔ پھر جب دیکھو کہ وہ اس معاملے میں بہت آگے جارہا ہے، ان حکمرانوں کے ہدایا قبول کرتا ہے، احسان لیتا ہے، قربت اختیار کرتا ہے اور مزید قریب ہونے کا حریص ہے تو اس سے دور ہو جاؤ اور اسے چھوڑ دو۔ پھر جب دیکھو کہ وہ اس سب کے ساتھ ان حکمرانوں کے فساد اور برائیوں پر خاموش رہتا ہے، مداہنت کرتا ہے، ان

الواضح، فهذا العالم الفاجر الفاسق والمفتي الماجن، فاتخذه عدواً. [58]

حکمرانوں کی تعریف کرتا ہے، برائیاں چھپاتا ہے، تو اس پر چار کیا، پانچ تکبیرات پڑھ لو (گویا وہ تمہارے لیے مر گیا)۔ پھر اگر اس سب کے ساتھ تم دیکھو کہ وہ ان حکمرانوں کے منکرات کو جواز فراہم کر رہا ہے اور ان کے واضح باطل اقدامات کی حمایت کرتا ہے تو پس یہی فاجر و فاسق عالم ہے، مفتی ماجن (بے شرم) ہے، عالمِ سلطان ہے، پس اسے اپنا دشمن بنالو"۔

تنبیہ: صفت میں بھی مختلف درجات ہیں

شیخ عطیہ رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت سے یہ بھی واضح ہوا کہ اس ایک صفت کے بھی کئی درجے ہیں جن میں سے بعض کی قباحت بعض سے زیادہ ہے۔ جبکہ ہر ایک ہی شریعت کی نظر میں قبیح ہے۔ انھی درجات کے حساب سے کسی عالم میں برائی کا درجہ متعین ہوتا ہے، اور جو قبیح ترین درجے کا مرتکب ہو تو وہ پکا عالمِ سوء ہے، دیگر کے یہاں اپنے اعمال کے بقدر سوء اور برائی ہے۔ ہر ایسے عالم سے اپنے دین کو بچانا لازم ہے، ہاں سبھی کو ایک سطح پر سمجھنا مناسب نہیں۔ یہی معاملہ باقی صفات کا بھی ہے جن کا بیان آگے آرہا ہے۔

دنیاداری [دنیا جمع کرنے کی ہوس]

اسلام دنیا میں 'زہد' اختیار کرنے کی تعلیم دیتا ہے، اور دنیوی آسائشوں میں توسع اختیار کرنے سے منع کرتا ہے، اسراف اور تبذیر سے منع کرتا ہے۔ چونکہ علماء دین کے ترجمان ہیں، اس لیے انھی کی ذمہ داری ہے کہ ان کی زندگیاں زہد کی جیتی جاگتی تصویریں ہوں اور دوسرے مسلمانوں کے لیے ان میں اسوہ ہو۔ اس کے

---

[58] لقاء الشيخ عطية الله مع منتدى الحسبة؛ ص ۱۷۸

برعکس دنیا کی نمود و نمائش کے پیچھے چلنا، مال و متاع جمع کرنا اور دنیا داروں سے رغبت رکھنا، اللہ تعالیٰ نے اسے سابقہ امتوں کے علمائے سوء کا کردار بیان کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْأَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَأْكُلُونَ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ ۗ وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ﴾ [التوبة:۳۴]

”اے ایمان والو! (یہودی) احبار اور (عیسائی) راہبوں میں سے بہت سے ایسے ہیں کہ لوگوں کا مال ناحق طریقے سے کھاتے ہیں، اور دوسروں کو اللہ کے راستے سے روکتے ہیں۔ اور جو لوگ سونے چاندی کو جمع کر کر کے رکھتے ہیں، اور اس کو اللہ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے، ان کو ایک دردناک عذاب کی خوشخبری سنادو“۔

پس اگر علماء میں سے کوئی ایسا ہے جو دنیا داروں کی طرف جھکتا ہے، ان سے مداہنت کرتا ہے، دنیا کا مال و متاع جمع کرنے میں مشغول ہے، نمود و نمائش اور آسائش و تعیش اس کی زندگی کا خاصہ ہے، دنیا داروں سے مقابلہ کرنا اس کا شیوہ ہے، یہ تمام صفات عالمِ سوء کی ہیں۔ البتہ محض دنیا داری اور مال و متاع جمع کرنے کی عادت دیکھ کر کسی عالم پر حکم لگانے میں جلدی نہ کی جائے، جب تک یہ نہ دیکھ لیا جائے کہ ایسا شخص دنیا داری اور دنیا داروں سے رغبت میں دینی احکام تک بدل دینے کی عادت میں مبتلا ہے یا بے عملی میں مبتلا ہے۔ ایسا شخص بلاشبہ عالمِ سوء ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ایسے عالم کے لیے سخت وعید بیان فرمائی ہے جو علمِ دین کو دنیا کمانے کا ذریعہ بنائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

من تعلم علما مما يبتغى به وجه الله عز وجل لا يتعلمه إلا ليصيب به عرضا من الدنيا، لم يجد عرف الجنة يوم القيامة.[59]

”جس کسی نے وہ علم حاصل کیا کہ جو خالص اللہ کے لیے حاصل کیا جاتا ہے، لیکن اس نے دنیا کمانے کے لیے ایسا کیا، تو یہ شخص روزِ قیامت جنت کی خوشبو تک نہ پائے گا“۔

---

[59] سنن أبي داود؛ ج ۵، ص ۵۰۵ [كتاب العلم، باب في طلب العلم لغير الله عز وجل]

عمل میں احکامِ دینیہ کی مخالفت اور فسق

ایک بنیادی وصف یہ ہے کہ کوئی شخص علمِ دین رکھتا ہو اور لوگوں میں عالم سے معروف ہو، لیکن علم پر عمل نہ کرتا ہو، اپنی زندگی میں دین کے احکامات کی کھلی خلاف ورزی کرتا ہو اور فسق وفجور میں مبتلا ہو۔ اس کی ایک شکل یہ ہے کہ وہ دوسروں کو تو نیکیوں کا بتائے، لیکن خود عمل نہ کرے اور اس کی بدترین شکل یہ ہے کہ وہ اپنی بد عملی کو چھپانے کے لیے کتمانِ حق کرنے لگے۔ بنی اسرائیل کے علماء میں یہ دونوں خرابیاں تھیں جن پر قرآنِ مجید میں ان الفاظ میں تنبیہ کی گئی:

﴿وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ [البقرة:٤٢]

”اور حق کو باطل کے ساتھ گڈ مڈ نہ کرو، اور حق بات کو مت چھپاؤ جبکہ (اصل حقیقت) تم اچھی طرح جانتے ہو“۔

﴿أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ وَأَنْتُمْ تَتْلُونَ الْكِتَابَ أَفَلَا تَعْقِلُونَ﴾ [البقرة:٤٤]

”کیا تم (دوسرے) لوگوں کو تو نیکی کا حکم دیتے ہو اور خود اپنے آپ کو بھول جاتے ہو؟ حالانکہ تم کتاب کی تلاوت بھی کرتے ہو! کیا تمہیں اتنی بھی سمجھ نہیں“۔

ان دونوں باتوں پر خود رسول اللہ ﷺ کی زبانِ مبارک سے بھی وعید اتری۔ سیدنا عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

من كتم علما ألجمه الله يوم القيامة بلجام من نار.[60]

”جس شخص نے کتمانِ علم کیا تو اللہ تعالیٰ روزِ قیامت اسے آگ کی لگام پہنائیں گے“۔

سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[60] المستدرك على الصحيحين: ج ١، ص ١٠٢ [كتاب العلم]۔ یہ روایت ملتے جلتے الفاظ سے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند، امام ابو داود رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سنن اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی جامع میں سیدنا ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔

ويل لمن لا يعلم، وويل لمن علم ثم لا يعمل ثلاثا.[61]

”تباہی ہے اس شخص کے لیے جو علم حاصل نہ کرے اور اس شخص کے لیے تین مرتبہ تباہی ہے جو علم حاصل کرنے کے بعد عمل نہ کرے“۔

سیدنا جندب بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مثل العالم الذي يعلم الناس الخير وينسى نفسه كمثل السراج يضيء للناس، ويحرق نفسه.[62]

”وہ عالم جو دوسروں کو نیکی کی تلقین کرے اور خود اپنے آپ کو بھول جائے (یعنی خود عمل نہ کرے) تو اس کی مثال اس چراغ کی سی ہے جو دوسروں کو روشن کرتا ہے جبکہ خود اپنے آپ کو جلاڈالتا ہے“۔

مذکورہ بالا دو روایات اور اس موضوع پر دیگر احادیث اور آثار امام خطیب بغدادی □ نے اپنے رسالے ’اقتضاء العلم العمل‘ میں جمع کیے ہیں۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

يا حملة العلم، اعملوا به؛ فإنما العالم من علم ثم عمل ووافق عمله علمه، وسيكون أقوام يحملون العلم لا يجاوز تراقيهم تخالف سريرتهم علانيتهم ويخالف عملهم علمهم.[63]

”اے علم کے حاملین! علم پر عمل کرو۔ پس عالم وہی ہے جو علم حاصل کرے اور پھر عمل کرے اور اس کا عمل اس کے علم کی موافقت کرے۔ عنقریب ایسے لوگ آئیں گے جو علم کے حاملین ہوں گے لیکن علم ان کے گلے سے نیچے نہ جائے گا، ان کا ظاہر ان کے باطن کے خلاف ہو گا اور ان کا عمل ان کے علم کے خلاف ہو گا“۔

---

[61] اقتضاء العلم العمل؛ ص ٣٦ [باب في التغليظ على من ترك العمل بالعلم]

[62] حوالہ سابق؛ ص۴۹

[63] جامع بيان العلم وفضله؛ ص ٦٩٤

علمِ دین جب کسی شخص کے دل میں تقویٰ اور خشیت پیدا نہ کرے تو سمجھنا چاہیے کہ وہ شخص اللہ تعالیٰ کی طرف سے محروم ہے اور جس شخص کے دل میں اس درجے قساوت آجائے کہ وہ احکامِ الٰہی کی خلاف ورزی کرے اور منکرات اور گناہوں میں مبتلا ہو جائے، اس کے کردار میں صالحیت نہ رہے تو یہی عالمِ سوء ہے۔

علمائے سوء سے متعلق اسلامی تعلیمات

علمائے سوء سے متعلق اسلام نے جو تعلیمات دی ہیں، انھیں ذیل کے نکات میں درج کیا جا رہا ہے:

اول: علمائے سوء کا تعین کیسے ہو گا؟

اوپر بیان کردہ علامات اور صفات کا تعلق ظاہری مشاہدے سے ہے، اس لیے اس کی بنیاد پر کوئی بھی مسلمان کسی عالم کے بارے میں سمجھ سکتا ہے کہ وہ عالمِ حق ہے یا عالمِ سوء ہے۔ اسی لیے جب مسلمان کسی عالم میں مذکورہ بالا علامتیں پائیں تو انھیں چاہیے کہ اس سے خود بھی خبر دار ہو جائیں اور دوسروں کو بھی اس سے خبر دار رہنے کی تلقین کریں۔

تاہم کسی عالم کے بارے میں تعین کر دینا کہ فلاں شخصِ معیَّن عالمِ سوء ہے تو یہ حکم علمائے کرام اور اصحابِ بصیرت پر چھوڑیں، از خود حتمی فیصلہ نہ کریں۔ وجہ یہ ہے کہ مذکورہ بالا علامتیں ایک درجے کی نہیں ہیں، جیسا کہ ہم نے اوپر تنبیہ میں بیان کیا، اب عام مسلمانوں میں ان باریکیوں کا جاننا مشکل بھی ہے اور باہم مختلف بھی ہو گا۔ اس کے سبب وہ کسی ایک شخص کے بارے میں ایک فیصلہ نہ کر سکیں گے۔ کچھ لوگ ایک شخص کو حق کہیں گے اور کچھ سوء کہیں گے۔ لہٰذا اپنے دین وایمان کو محفوظ رکھنے کے لیے تو ضروری ہے کہ ہر مسلمان جس عالم میں مذکورہ بالا علامتیں دیکھے، جس درجے کی بھی ہوں تو خبر دار ہو جائے اور اپنے متعلقین کو بھی خبر دار کرے۔ لیکن کسی کے بارے میں معین حکم لگانا اس کا کام نہیں، یہ علمائے حق کا کام ہے۔ جب علماء کسی شخص کے بارے میں بیان کریں کہ فلاں شخص عالمِ سوء ہے اور اس میں علامتیں بھی موجود ہوں تو اب کوئی مسلمان بھی اس کا عالمِ سوء ہونا بیان کر سکتا ہے۔

دوم: دینی احکام میں علمائے سوء کی آراء اور فتاویٰ کا کوئی اعتبار نہیں، اور ان سے فتویٰ لینا جائز نہیں

علمائے سوء کا دین میں کوئی مقام نہیں، اور دین کے احکامات کے معاملے میں علمائے سوء کی کسی رائے اور کسی فتویٰ کا اعتبار نہیں۔ مسلمانوں کے لیے جائز نہیں کہ وہ ان سے دین کے احکامات سیکھیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ دینی احکام میں کبھی ان سے کوئی حق بات ادا نہیں ہو سکتی، مگر ان کی گمراہی اور خواہش پرستی اس درجے میں ہے کہ یہ اعتبار نہیں کیا جاسکتا کہ وہ کون سی بات حق بیان کریں اور کون سی بات باطل۔ اسی وجہ سے ان کا کوئی قول یا فتویٰ معتبر نہیں ہے۔ اگر ان کی اتباع جائز سمجھ لی جائے تو ان کی گمراہیاں بھی عام ہو جائیں گی اور لوگ باطل کو حق سمجھتے ہوئے اس پر کاربند ہو جائیں گے اور نتیجے میں پورا دین بگڑ جائے گا، شریعت مسخ ہو جائے گی، معروف کی جگہ منکر لے لے گی اور فساد عام ہو جائے گا۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مقدمہ میں اس بات پر کئی ابواب باندھے ہیں اور بہت سی روایات ذکر کی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اہلِ بدعت اور متہم لوگوں سے دین کی بات قبول نہ کی جائے۔ سیدنا عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا:

إن في البحر شياطين مسجونة، أوثقها سليمان، يوشك أن تخرج، فتقرأ على الناس قرآنا.[64]

”سمندر میں بہت سے شیاطین قید ہیں جنھیں سیدنا سلیمان نے قید کیا تھا، قریب ہے کہ وہ نکل پڑیں اور لوگوں کو ایک قسم کا قرآن پڑھانے لگیں“۔

سیدنا ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث نقل کرتے ہیں:

يكون في آخر الزمان دجالون كذابون، يأتونكم من الأحاديث بما لم تسمعوا أنتم، ولا آباؤكم، فإياكم وإياهم، لا يضلونكم، ولا يفتنونكم.[65]

”آخر زمانے میں جھوٹے دجال ہوں گے جو ایسی احادیث بیان کریں گے جو تم نے اور نہ تمہارے باپوں نے پہلے سنی ہوں گی۔ پس تم ان سے خبردار

[64] صحيح مسلم؛ ج ١، ص ٧ [مقدمة؛ باب في الضعفاء والكذابين ومن يرغب عن حديثهم]

[65] حوالہ سابق؛ ج ١، ص ٧[مقدمة؛ باب في الضعفاء والكذابين ومن يرغب عن حديثهم]

رہنا کہ کہیں وہ تمہیں گمراہ نہ کردیں یا فتنہ میں مبتلا نہ کردیں"۔

امام ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

إن هذا العلم دين، فانظروا عمن تأخذون دينكم.[66]

"یہ علم دین ہے، پس تم لوگ دیکھ لو کہ تم اپنا دین کس شخص سے لے رہے ہو؟"

جہاں محدثین نے روایتِ حدیث میں ایسے افراد کی بات کو تسلیم نہیں کیا[67]، وہاں فقہ کے باب میں بھی ایسے علماء کے فتاویٰ کو فقہاء نے غیر معتبر قرار دیا۔ فاسق عالم کے فتویٰ کے غیر معتبر ہونے پر علمائے اہل السنۃ نے اجماع نقل کیا۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ 'آداب الفتوى والمفتي والمستفتي' میں لکھتے ہیں:

وَاتَّفَقُوا على أَن الْفَاسِق لَا تصح فتواه وَنقل الْخَطِيب فِيهِ إِجْمَاع الْمُسلمين.[68]

"علمائے اسلام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ فاسق کا فتویٰ معتبر نہیں، اور امام خطیب بغدادی نے اس بات پر مسلمانوں کا اجماع نقل کیا ہے"۔

یہی بات ہمارے علمائے احناف نے بھی اپنی کتابوں میں لکھی ہے۔ جب ان علماء کا فتویٰ معتبر نہیں تو مسلمانوں کے لیے ان سے فتویٰ لینا بھی جائز نہیں ہے۔ در مختار میں لکھا ہے:

لا يحل استفتاؤه اتفاقا.[69]

"ایسے فاسق عالم سے فتویٰ لینا بالاتفاق جائز نہیں"۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے حاشیہ میں اس کی توثیق کی ہے۔

---

[66] حوالہ سابق؛ ج ۱، ص ۸ [مقدمة؛ باب في أن الإسناد من الدين]

[67] ہاں، اس میں یہ تفصیل ہے کہ بدعتی داعی کی روایت کو جمہور محدثین رد کرتے ہیں، جبکہ جو داعی بدعتی نہیں ہے، اس کی روایت قبول کرتے ہیں، جبکہ بعض مطلقاً رد کرتے ہیں۔

[68] آداب الفتوى والمفتي والمستفتي؛ ص ۲۰

[69] رد المحتار على الدر المختار؛ ج ۸، ص ۳۰

سوم: علمائے سوء کے کردارِ بد کو بیان کرنا اور مسلمانوں کو ان سے خبردار کرنا واجب ہے

علمائے حق پر اصلاً اور دوسرے مسلمانوں پر تبعاً واجب ہے کہ وہ علمائے سوء سے دوسرے مسلمانوں کو خبر دار کریں۔ ایسے علماء کا عالمِ سوء ہونا بیان کریں اور ان سے بچنے کی تلقین کریں۔ علمائے سوء کی برائی بیان کرنا اس لیے ضروری ہے کہ لوگ ان کی ظاہری حالت اور شہرت سے دھوکہ نہ کھا جائیں اور ان کی غلط باتوں کو دین نہ سمجھنے لگیں۔ یہ بات حرام غیبت کے دائرے میں نہیں آتی، بلکہ یہ غیبت مباح [بحکمِ واجب] ہے۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے جہاں غیبت کی اباحت کے چھ اسباب ذکر فرمائے ہیں، ان میں چوتھا سبب ذکر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

الرابع: تحذير المسلمين من الشر ونصيحتهم، وذلك من وجوهٍ: منها جرح المجروحين من الرواة والشهود، وذلك جائزٌ بإجماع المسلمين، بل واجبٌ للحاجة.
...ومنها إذا رأى متفقهاً يتردد إلى مبتدع، أو فاسقٍ يأخذ عنه العلم، وخاف أن يتضرر المتفقه بذلك، فعليه نصيحته ببيان حاله.[70]

”چوتھا سبب: مسلمانوں کو شر سے خبر دار کرنا اور انھیں نصیحت کرنا۔ اور اس کی مختلف صورتیں ہیں؛ جس میں سے راویوں اور گواہوں میں سے مجروح لوگوں کی جرح بیان کرنا بھی ہے۔ یہ مسلمانوں کے اجماع سے جائز ہے، بلکہ حاجت کے وقت واجب ہے۔
... اور اس طرح یہ بھی ہے کہ جب کسی طالبِ علم کو دیکھا کہ وہ کسی گمراہ یا فاسق عالم کے پاس جا رہا ہے تاکہ اس سے علم حاصل کرے، اور خدشہ ہے کہ وہ طالبِ علم بھی گمراہ ہو جائے گا تو اسے اس عالم کی حقیقت سے آگاہ کرنا ضروری ہے“۔

[70] رياض الصالحين؛ ص ٥٨١ [باب بيان ما يباح من الغيبة]

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ومثل أئمة البدع من أهل المقالات المخالفة للكتاب والسنة أو العبادات المخالفة للكتاب والسنة فإن بيان حالهم وتحذير الأمة منهم واجب باتفاق المسلمين.[71]

''گمراہ علماء وائمہ جن کے نظریات کتاب وسنت کے مخالف ہوں یا کتاب وسنت کے مخالف اعمال رکھتے ہوں تو ان کی حقیقتِ حال بیان کرنا اور امت کو ان سے خبر دار کرنا واجب ہے اور اس (کے وجوب) پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے''۔

آگے چل کر فرماتے ہیں:

فلا بد من التحذير من تلك البدع وإن اقتضى ذلك ذكرهم وتعيينهم... ولهذا وجب بيان حال من يغلط فى الحديث والرواية ومن يغلط فى الرأى والفتيا.[72]

''ضروری ہے کہ گمراہیوں کے حوالے سے خبر دار کیا جائے، چاہے اس کے لیے گمراہوں کا ذکر کرنا پڑے اور ان کے نام لے کر ان کا تعین کرنا پڑے... اسی لیے حدیث وروایت میں غلطی کرنے والوں کا حال بیان کرنا واجب ہوا اور اسی وجہ سے فتویٰ میں غلطی کرنے والوں کی غلطی بیان کرنا واجب ہوا''۔

علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ 'رد المحتار' میں لکھتے ہیں:

وفي تنبيه الغافلين للفقيه أبي الليث الغيبة على أربعة أوجه... وفي وجه هي مباح وهو أن يغتاب معلنا بفسقه أو صاحب بدعة، وإن اغتاب الفاسق ليحذره الناس يثاب عليه لأنه من النهي عن المنكر اهـ أقول والإباحة لا تنافي الوجوب في بعض المواضع.

''امام ابو اللیث سمرقندی □ کی کتاب 'تنبیہ الغافلین' میں ہے کہ 'غیبت کی چار صورتیں ہیں:... ایک صورت میں غیبت مباح ہے اور وہ یہ ہے کہ فسق کا اظہار کرنے والے اور گمراہ فرد کی غیبت کی جائے۔ اگر فاسق کی غیبت کی جائے تاکہ لوگ اس

[71] مجموع الفتاوى؛ ج ٢٨، ص ١٣١

[72] حواله سابق؛ ج ٢٨، ص ١٣٢

قوله (ولسوء اعتقاد تحذيرا منه) أي بأن كان صاحب بدعة يخفيها ويلقيها لمن ظفر به أما لو تجاهر بها فهو داخل في المتجاهر، تأمل. والأولى التعبير بالتحذير ليشمل التحذير من سوء الاعتقاد ولما مر متنا ممن يصلي ويصوم ويضر الناس.[73]

سے خبر دار ہو جائیں تو اس پر کرنے والے کو ثواب ہو گا کیونکہ ایسا کرنا نہی عن المنکر میں سے ہے'۔ میں (یعنی علامہ ابن عابدین) کہتا ہوں کہ حکمِ اباحت بعض صورتوں کے واجب ہونے کے منافی نہیں ہے۔

صاحبِ متن کا قول کہ [گمراہ عقیدے کی وجہ سے غیبت تاکہ اس سے خبر دار کیا جاسکے] اس سے مراد وہ گمراہ ہے جو اپنی گمراہی چھپائے اور صرف اسی کے سامنے ظاہر کرے جو اس کے شکنجے میں پھنس جائے، جبکہ جو گمراہ اپنی گمراہی ظاہر کرے تو وہ کھلم کھلا برائی کرنے والے کے حکم میں ہے۔ بہتر یہ تھا کہ عبارت میں صرف خبر دار کرنے کی وجہ سے غیبت کا ذکر کیا جاتا، تاکہ یہ خبر دار کرنا عقیدے کی گمراہی کو بھی شامل ہوتا اور اس کے علاوہ اس شخص کی غیبت کو بھی شامل ہوتا جو نمازیں بھی پڑھتا ہو، روزے بھی رکھتا ہو مگر لوگوں کو نقصان پہنچاتا ہو"۔

[73] ردالمحتار؛ ج ۹، ص ۵۸٦

تنبیہ: برائی بیان کرنے [یعنی مباح غیبت] کی شرائط

علمائے سوء کی غیبت مباح ہے اور علماء پر ان کی برائی بیان کرنا اور عوامِ مسلمین کو ان سے خبر دار کرنا واجب ہے۔ البتہ اس مباح غیبت کی بھی بعض شرائط ہیں۔ مشاہدہ میں آتا ہے کہ لوگ اللہ ورسول ﷺ کے غضب میں بھی بعض اوقات آپے سے باہر ہو جاتے ہیں اور دین کے بتلائے ہوئے آداب سے تجاوز کر جاتے ہیں۔ جب مقصود لوگوں کو خبر دار کرنا ہے تو جس کام سے اور جتنے کام سے یہ مقصد حاصل ہو جائے، وہی جائز ہو گا۔ علمائے اسلام کی کتب کی مراجعت سے برائی بیان کرنے کی درج ذیل شرائط معلوم ہوتی ہیں:

اول: اخلاصِ نیت

سب سے بنیادی شرط یہ ہے کہ جو شخص برائی بیان کرنے والا ہو، وہ اخلاصِ نیت سے یہ کام کرے۔ اس کا داعیہ اللہ ورسول ﷺ کے لیے غضب اور دین کی گمراہی سے حفاظت ہو، کسی قسم کا نفسانی داعیہ اس میں شامل نہ ہو، مغتاب (جس کی غیبت کی جائے) سے حسد یا اس کے مقابلے میں اپنا تزکیہ یا اپنی بڑائی بیان کرنا نہ ہو۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

بشرط أن يقصد النصيحة، وهذا مما يغلط فيه. وقد يحمل المتكلم بذلك الحسد، ويلبس الشيطان عليه ذلك، ويخيل إليه أنه نصيحة فليتفطن لذلك.[74]

"گمراہ عالم کی غیبت اس شرط سے جائز ہے کہ غیبت کرنے والے کا مقصد دین کی خیر خواہی ہو۔ اس میں بہت کوتاہی ہوتی ہے۔ ایسا ہوتا ہے کہ غیبت کرنے والا حسد کے داعیے کے تحت ایسا کرتا ہے جبکہ شیطان اسے تلبیس میں ڈالتا ہے اور اسے یہ باور کرواتا ہے کہ وہ تو خیر خواہی چاہنے والا ہے۔ پس اسے خوب اچھی طرح سمجھو"۔

[74] ریاض الصالحین؛ ص ۵۸۱ [باب بیان ما یباح من الغیبۃ]

دوم: معروف [شائستہ] الفاظ کا استعمال

ایسے عالم کی برائی بیان کرتے ہوئے شائستہ الفاظ کا استعمال ضروری ہے۔ گالیاں دینا، تمسخر کرنا، غلیظ الفاظ میں برائی بیان کرنا اور لعنت بھیجنا درست نہیں۔ خود رسول اللہ ﷺ نے دشمنانِ دین کی ایذاء پر بھی شائستہ زبان استعمال کرنے کی تعلیم دی ہے۔ جیسا کہ صحیح بخاری میں ام المؤمنین سیدہ عائشہ ؓ سے مروی ہے کہ یہودیوں نے ایک مرتبہ گزرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کو سلام کے انداز میں 'السام علیکم' [تم پر موت آئے (نعوذ باللہ)] کے الفاظ بولے، تو سیدہ عائشہ ؓ ان پر برس پڑیں کہ 'تم پر موت آئے، اللہ تم پر لعنت کرے، تم پر عذاب نازل کرے'۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مهلاً يا عائشة عليك بالرفق وإياك والعنف والفحش.[75] ''حوصلہ رکھو اے عائشہ! تمہیں چاہیے کہ تم نرمی سے بات کرو اور سختی اور درشت روئی سے بچو''۔

دوسری روایت میں الفاظ ہیں:

مهلا يا عائشة إن الله يحب الرفق في الأمر كله.[76] ''حوصلہ رکھو اے عائشہ! بے شک اللہ تعالیٰ ہر ہی معاملے میں نرمی کو پسند فرماتے ہیں''۔

پھر فرمایا کہ کیا تم نے سنا نہیں کہ میں نے کیا کہا ہے، میں نے کہا ہے کہ وعلیکم [اور تم پر بھی]۔

اس حدیث سے دو سبق ملتے ہیں؛ اولاً اللہ و رسول ﷺ کے لیے غضب کرنے کے موقع پر بھی زبان میں شائستگی کو ملحوظ رکھنا چاہیے، ثانیاً اللہ و رسول ﷺ کے لیے غضب کرنے میں جس قدر ضرورت ہو، اسی قدر بات کی جائے، حد سے تجاوز کرتے ہوئے آپے سے باہر نہ ہوا جائے۔ یہ محمود نہیں۔

یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا ایک درجہ سخت کلام کرنا بھی ہے جسے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے 'السب والتعنيف بالقول الغليظ' سے تعبیر کیا ہے اور جیسا کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ [جو اس وقت مسلمان نہ ہوئے تھے] کو سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی

[75] صحيح البخاري؛ ص ١٥١٠ [كتاب الأدب؛ باب الرفق في الأمر كله]

[76] حوالہ سابق؛ ص ١٥١١ [كتاب الأدب؛ باب لم يكن النبي صلى الله عليه وسلم فاحشا ولا متفاحشا]

موجودگی میں سخت الفاظ میں جواب دیا تھا۔ تاہم پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ اس وقت ہے جب منکر کا مرتکب براہِ راست خود مخاطب ہو۔ ایسے میں اس کے ساتھ گفتگو میں کچھ سخت الفاظ استعمال کیے جاسکتے ہیں اور دوسری بات یہ ہے کہ یہ بھی اسی وقت ہے جب ضرورت بھی ہو اور منکر کے مرتکب کے باز آجانے کا امکان ہو، وگرنہ اس سے گریز بہتر ہے اور محض غضب کا اظہار کر دینا کافی ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ 'احیاء علوم الدین' میں امر بالمعروف کے اسی درجے کے بارے میں لکھتے ہیں:

ولهذه الرتبة أدبان: أحدهما: أن لا يقدم عليها إلا عند الضرورة والعجز عن اللطف. والثاني: أن لا ينطق خطابه بهذه الكلمات الزاجرة ليست تزجره فلا ينبغي أن يطلقه. بل يقتصر على إظهار الغضب والاستحقار له والازدراء بمحله لأجل معصيته.[77]

”نہی عن المنکر کے اس درجے کے دو آداب ہیں؛ ایک یہ کہ اسی وقت یہ قدم اٹھایا جائے جب ضرورت ہو اور نرمی سے کام نہ چلے، اور دوسرا یہ کہ سخت الفاظ اس وقت استعمال نہ کیے جائیں جب اس سے مخاطب کو فرق نہ پڑے۔ ایسے میں اس کے گناہ پر محض اپنے رویے سے غم و غصے کا اظہار کر دینا اور اس کی حالت پر ناپسندیدگی کا اظہار کر دینا کافی ہے“۔

اس معاملے میں بالعموم کوتاہی ہوتی ہے۔ ہم لوگ اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے غضب میں اپنا غضب بھی شامل کر لیتے ہیں اور پھر جب تک اپنے دل کا غبار نہ نکال دیں، بس نہیں کرتے۔ اسی میں بہت نازیبا کلمات بھی ادا ہو جاتے ہیں جبکہ ہم سمجھتے ہیں کہ علمائے سوء کی برائی کے لیے یہ سب جائز ہے۔ ایسا درست نہیں، بلکہ اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سکھلائے آداب کو ملحوظ رکھنا ہم پر لازم ہے۔

[77] إحياء علوم الدين؛ ج ٧، ص ١٢٢٩ [الركن الرابع نفس الاحتساب؛ الدرجة الرابعة السب والتعنيف بالقول الغليظ الخشن]

سوم: بقدرِ ضرورت

جیسا کہ مذکورہ بالا حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ جس قدر برائی بیان کرنے سے مقصد حاصل ہو جائے اور لوگوں کو خبر دار کر دیا جائے، اسی قدر غیبت کرنا جائز ہو گا۔ اس میں خود علمائے سوء کے حالات سے بھی فرق پڑتا ہے۔ عالمِ سوء میں سے کوئی تو وہ ہوتا ہے جس کا ضرر عام ہوتا ہے اور وہ لوگوں کو کھلم کھلا برائی میں مبتلا کرتا ہے اور دوسرا وہ ہوتا ہے جس کا ضرر خاص ہوتا ہے، وہ محض اپنے ساتھ وابستہ لوگوں میں گمراہی پھیلاتا ہے۔ اول الذکر کی برائی عمومی طور پر بھی بیان کرنا واجب ہے، جبکہ ثانی الذکر کی غیبت اسی شخص کے سامنے مباح ہو گی جو اس سے وابستہ ہو اور اس کی وجہ سے گمراہی میں پڑنے کا خدشہ ہو۔ امام نووی □ کی درج ذیل عبارت میں اسی کا ذکر ہے:

ومنها إذا رأى متفقهاً يتردد إلى مبتدع، أو فاسقٍ يأخذ عنه العلم، وخاف أن يتضرر المتفقه بذلك، فعليه نصيحته ببيان حاله.[78]

"اور اس (یعنی مباح غیبت کی صورت) میں سے ہے کہ جب کسی طالبِ علم کو دیکھا کہ وہ کسی گمراہ یا فاسق عالم کے پاس جا رہا ہے تاکہ اس سے علم حاصل کرے، اور خدشہ ہے کہ وہ طالبِ علم گمراہ ہو جائے گا تو اسے اس عالم کی حقیقت سے آگاہ کرنا ضروری ہے"۔

چہارم: علمائے سوء کی غلط آراء کے مقابلے میں صحیح دینی احکام و نظریات کو مسلمانوں میں بیان کرنا

علمائے سوء مسلمانوں میں دین کے جو غلط احکامات اور فتاویٰ بیان کرتے ہیں، تو اس کے بالمقابل علمائے حق پر لازم ہے کہ وہ دلائل و براہین سے ان کا رد کریں، ان کے شبہات کا جواب دیں، ان سے پھیلنے والی گمراہیوں کا سدِباب کریں اور صحیح دینی احکامات سے مسلمانوں کو آگاہ کریں۔

[78] رياض الصالحين؛ ص ٥٨١ [باب بيان ما يباح من الغيبة]

علمائے سوء سے خبر دار کرنے کا یہ فائدہ تو ہو گا کہ لوگ آئندہ ایسے لوگوں کی باتوں میں آنے سے محفوظ رہیں گے، لیکن جن مسلمانوں کو علمائے سوء کے احکامات اور دلائل نے شبہات میں ڈال دیا ہے، جب تک ان شبہات کا رد نہ ہو گا اور علمائے سوء کی طرف سے پھیلائی ہوئی گمراہی کے مقابلے میں مسلمانوں میں صحیح دینی احکام اور صحیح شعور بیدار نہ کیا جائے گا، لوگوں کا دین محفوظ نہ ہو سکے گا۔ اسی لیے علمائے سوء سے مسلمانوں کو خبر دار کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے پھیلائے ہوئے شبہات اور گمراہیوں کا جواب دینا بھی نہ صرف ضروری ہے، بلکہ علمائے حق پر واجب ہے۔

امام شاطبی رحمۃ اللہ علیہ نے بدعات اور گمراہیوں کے سدباب میں پوری کتاب لکھی، اور اس میں گمراہیوں کے اصول بھی مقرر فرمائے اور اپنے دور کی گمراہیوں کا دلائل سے رد کیا۔ اس کے مقدمے میں وجہ تالیف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

لما كثرت البدع، وعم ضررها، واستطار شررها، ودام الإكباب على العمل بها، والسكوت من المتأخرين عن الإنكار لها، وخلفت بعدهم خلوف جهلوا أو غفلوا عن القيام بفرض القيام فيها، صارت كأنها سنن مقررات، وشرائع من صاحب الشرع محررات، فاختلط المشروع بغيره، فعاد الراجع إلى محض السنة كالخارج عنها، فالتبس بعضها ببعض، فتأكد الوجوب بالنسبة إلى من عنده فيها علم.[79]

”جب گمراہی زیادہ ہو گئی، اس کا ضرر عام ہو گیا اور شر پھیل گیا، لوگ اس پر عمل کرنے میں جت گئے اور علمائے متاخرین کی طرف سے اس پر خاموشی برقرار رہی۔ بعد میں ایسے لوگ آئے جنھوں نے ان گمراہیوں کا جواب دینے کے فرض کو جانا ہی نہیں یا اس میں غفلت برتی۔ ایسے میں گمراہیوں کا یہ حال ہو گیا کہ گویا طے شدہ سنت امور ہیں اور صاحبِ شریعت کی طرف سے جاری کردہ احکام ہیں۔ اس کے نتیجے میں شرعی امور غیر شرعی باتوں سے خلط ملط ہو گئے، سنت پر عمل کرنے والے سنت سے خارج قرار پائے، حق و باطل آپس میں گڈمڈ

[79] الاعتصام؛ ج ١، ص ٢٩

ہو گئے۔ اس وقت علم رکھنے والے پر ان گمراہیوں کا جواب دینا واجب ہو گیا"۔

پنجم: علمائے سوء کے خلاف اقدامِ قتل آیا جائز ہے یا نہیں؟

علمائے سوء کی گمراہی سے مسلمانوں کو بچانا نہی عن المنکر میں سے ہے۔ نہی عن المنکر کا ایک درجہ یہ بھی ہے کہ اگر منکر کا ازالہ اس وقت تک ممکن نہ ہو جب تک منکر کے مرتکب کو ختم نہ کر دیا جائے، تو ایسے میں مرتکبِ منکر کا قتل جائز ہو جاتا ہے۔ بدعتی علماء کے قتل کی اباحت کا ذکر ہمارے علمائے احناف کی کتب میں مل جاتا ہے، جیسا کہ 'رد المحتار' میں ہے:

والمبتدع لو له دلالة ودعوة للناس إلى بدعته ويتوهم منه أن ينشر البدعة وإن لم يحكم بكفره جاز للسلطان قتله سياسة وزجرا، لأن فساده أعلى وأعم حيث يؤثر في الدين.[80]

"وہ بدعتی جو اپنے پاس دلائل رکھتا ہو اور لوگوں کو اپنی گمراہی کی طرف دعوت دیتا ہو، اور اس سے خدشہ ہو کہ وہ گمراہی کو پھیلائے گا۔ اب اگر اس پر کفر کا حکم عائد نہ بھی کیا جائے تو بھی حاکم کے لیے اسے سیاستاً قتل کرنا جائز ہے، کیونکہ اس کا فساد بایں معنی عام ہے کہ یہ دینی معاملات میں پھیل رہا ہے"۔

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں قتل کا حکم مطلق نہیں ہے، بلکہ اس کی ایک شرط مذکور ہے اور وہ یہ ہے کہ اس قتل کی اجازت مسلمان حاکم کو ہے، ہر کسی کو نہیں ہے۔ یعنی ایسا نہیں ہے کہ بدعتی علماء یا علمائے سوء کے قتل کی مطلق اجازت ہے۔

وجہ یہ ہے کہ نہی عن المنکر اس وقت جائز ہوتا ہے جب ازالہ منکر کا امکان ہو اور مفسدہ پیدا ہونے کا خطرہ نہ ہو۔ اگر مفسدہ پیدا ہونے کا خطرہ ہو تو ایسے میں نہی عن المنکر بعض صورتوں میں مکروہ اور بعض میں حرام تک

[80] رد المحتار؛ ج ٦، ص ٣٨٦

ہو جاتا ہے۔ پھر نہی عن المنکر میں قتل آخری صورت ہے اور اسی وقت جائز ہے جب اس کے بغیر ازالۂ منکر کا کوئی امکان باقی نہ بچے۔

اب جب کسی جگہ مسلمان حاکم موجود ہے اور اس کی رعایا میں کوئی ایسا شخص موجود ہے تو اس حاکم کو اس پر پوری قدرت حاصل ہے۔ اس کے باوجود وہ اس کے منکر کو زائل نہیں کر سکا تو اب اس کے لیے قتل جائز ہو گا۔ پھر دوسری بات یہ ہے کہ حاکم کے قتل کرنے میں مفسدہ پیدا ہونے کا امکان کم سے کم ہے۔

ہم جس دور میں جی رہے ہیں، وہاں صورتحال مذکورہ بالا صورتحال سے مختلف ہے۔ یہ بات تو اپنی جگہ ہے کہ ان علمائے سوء کا ضرر بہت زیادہ ہے، لیکن ان کے ضرر سے بہت زیادہ ضرر ان حکمرانوں اور جرنیلوں اور نظامِ ریاست کا ہے جن کی وجہ سے یہ علمائے سوء گمراہیاں پھیلانے کی جرأت کرتے ہیں۔ پھر ان میں سے کسی کے قتل کے اقدام میں بہت سے مفاسد کا خطرہ ہے۔ بڑا مفسدہ تو یہ ہو گا کہ آج کسی عالمِ سوء کے بارے میں مسلمانوں کا اتفاق مشکل ہے، بہت سے مسلمان اسے عالم سمجھ رہے ہوتے ہیں، ایسے میں ان کے قتل سے عام مسلمانوں میں تشویش پھیلنے اور قتل کرنے والوں سے متنفر ہو جانے کا امکان قوی ہے۔ نیز اس کے نتیجے میں اس عالمِ سوء کی گمراہی کے پھیلنے میں مزید اضافہ ہونے کا امکان ہے، بایں وجہ کہ بعض مسلمانوں میں اس سے عقیدت پیدا ہو جائے گی اور وہ اس کے نظریات پر کاربند ہو جائیں گے۔ یوں مصلحت حاصل ہونے سے زیادہ مفسدہ پیدا ہو گا۔ جب مفسدہ بڑا ہو تو نہی عن المنکر جائز نہیں ہوتا۔ اس مفسدے کی وجہ سے آج علمائے سوء کے قتل کی عمومی اجازت نہیں دی جا سکتی۔

ہاں، اگر علمائے سوء میں سے کوئی مسلمانوں کے خلاف باقاعدہ قتال میں شریک ہو جائے تو اب مقاتل ہونے کی وجہ سے اس کا قتل جائز ہو گا۔ مجاہدین کی قیادتیں اسی موقف پر کھڑی ہیں۔ شیخ ایمن الظواہری □ 'توجيهات عامة للعمل الجهادي' میں لکھتے ہیں:

وتقتصر مواجهتنا لعلماء السوء على فضح شبهاتهم، ونشر الأدلة الأكيدة على عمالتهم، ولا يقاتلون أو يُقتلون إلا إذا	”علمائے سوء کا مقابلہ محض ان کی جانب سے پھیلائے گئے شبہات کا ازالہ کرنے اور مضبوط دلائل کے ساتھ ان کے آلہء کار ہونے کو واضح

اشتركوا في عمل قتالي ضد المسلمين أو المجاهدين.[81]

کرنے کے ذریعے کیا جائے اور ان کا قتل یا ان کے خلاف قتال نہ کیا جائے، سوائے اس صورت میں جب وہ مسلم عوام یا مجاہدین کے خلاف کسی قتالی عمل کے مرتکب ہوں"۔

[81] توجيهات عامة للعمل الجهادي؛ ص ۴

فصل پنجم: موجودہ دور میں غلبۂ اسلام کے لیے تحریکِ جہاد اور مخالف علماء کے مراتب

اوپر کی پوری بحث کے بعد اب ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے موجودہ حالات میں ان احکامات کی تطبیق کیسے ہو گی اور موجودہ دور میں کون سے علمائے حق ہیں اور کون ایسے ہیں جو علمائے سوء کے درجے میں آئیں گے۔ موجودہ دور میں وہ کیا اعمال ہیں جو اس کی کسوٹی کہلاتے ہیں اور آج کے مسلمان کہاں افراط یا تفریط کا شکار ہیں۔

عصرِ حاضر میں مسلمانوں کا بنیادی مسئلہ؛ اسلام کی مغلوبیت اور کفر کا غلبہ

اس دور میں بلاشبہ مسلمانوں کا سب سے بنیادی مسئلہ اسلام کی مغلوبیت اور کفر کا غلبہ ہے۔ اس وقت دنیا میں مسلمان بحیثیت امت مغلوب ہیں اور کفار غالب ہیں اور اس کی علامت دنیا میں اسلام کی حکومت کا فقدان ہے۔ بلاشبہ مسلمان اکثریت کے کتنے ہی ممالک ہیں، لیکن وہاں اسلامی احکامات غالب نہیں ہیں، بلکہ عالمی نظام کے تحت سیکولر نظام ہائے حکومت رائج ہیں۔ انھی سیکولر نظام ہائے حکومت کی وجہ سے مسلمانوں کی دینی حالت روز افزوں ابتری کی طرف جارہی ہے۔

اسی مناسبت سے اس وقت مسلمانوں پر سب سے اہم فریضہ دنیا میں اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے جدوجہد کرنا ہے، جس میں دعوت اور قتال کا ہر طریقہ شامل ہے۔ اس جدوجہد کی دو سطحیں ہیں:

ایک عالمی کفری طاقتوں اور ان کے عالمی طاغوتی نظام کے خلاف جدوجہد کرنا ہے۔

دوسرا مسلم ممالک میں غلبۂ اسلام کی جدوجہد کرنا اور مسلم ممالک پر مسلط سیکولر نظام اور اس کے چلانے والوں کے خلاف جدوجہد کرنا ہے۔

اس میں سے پہلی سطح کی حقانیت دوسری کی نسبت بہت واضح ہے، جبکہ دوسری سطح میں غموض پایا جاتا ہے۔ اس لیے ہم دوسری سطح کے حوالے سے علماء کے مواقف پہلے دیکھتے ہیں کہ اس کا تعلق خود مسلم معاشروں میں موجود علماء سے براہِ راست ہے۔ اسے جاننے سے پہلی سطح کا مسئلہ از خود واضح ہو جاتا ہے۔

مسلم مما لک کے طاغوتی لادین حکمرانوں کی تائید اور جہاد کی مخالفت کے درجات

اس وقت مسلم ممالک میں شریعت کے قوانین کی جگہ انسانوں کے بنائے کفری قوانین رائج ہیں، اور جو لوگ حکمران ہیں، وہ لادین ہیں اور نفاذِ شریعت کے مخالف ہیں۔ ایسے میں مسلم ممالک میں نفاذِ شریعت کی جدوجہد کرنا واجب ہے اور اس کے لیے وقت وحالات کو دیکھتے ہوئے ہر قسم کے وسائل بروئے کار لانا بھی واجب ہے۔ اب علماء میں اس کی حمایت اور مخالفت، ہر دو مواقف موجود ہیں۔ جو علماء اس نفاذِ شریعت کی جدوجہد اور جہاد و قتال کے حامی ہیں، وہ بلاشبہ علمائے حق ہیں۔ اور علماء میں یہی طبقہ اکثریت میں ہے۔ ان میں سے کتنے شہید کر دیے گئے، کتنے گرفتار ہیں اور کتنے ہی جبر کی فضا میں خاموش ہیں، لیکن یہ تمام کے تمام مسلم ممالک کے نظامِ حکومت کو سیکولر سمجھتے ہیں، مسلط حکمرانوں کو مسلمانوں کے اولو الأمر نہیں مانتے، اور ان کے خلاف جدوجہد کی حمایت کرتے ہیں۔

جو علماء اس کے مخالف ہیں، وہ سب ایک سطح کے نہیں ہیں، بلکہ ان میں تین مراتب ہیں:

۱۔ کچھ وہ ہیں جنھیں ہم سرکاری درباری علماء کہہ سکتے ہیں۔ جن کے پیشِ نظر کسی قسم کی کوئی دلیل نہیں ہے، بجز دنیاوی مفادات اور خواہشاتِ نفسانی کے۔ ان کی ظاہری ہیئت تو جبہ ودستار والی ہوتی ہے، لیکن دل شیطانوں والے ہوتے ہیں۔ ان کی دلیل حکمرانوں کی رضاجوئی اور اس کے بدلے میں دنیا کمانا ہے۔ حکمرانوں سے میل ملاپ رکھنا اور ان کی حمایت کرنا اور اس کے عوض مراعات لینا ان کا شیوہ ہے۔ ان پر ٹھیک علمائے سوء کی اصطلاح پوری ہوتی ہے۔

۲۔ کچھ وہ ہیں جنھوں نے اسلاف اور اہل السنۃ والجماعۃ کے اصولِ اجتہاد سے ہٹ کر اس دور میں نئے اصولِ اجتہاد کی بنا رکھی ہے اور اسی کی بنیاد پر بیشتر سیکولر نظریات کو اسلامی سانچہ میں جگہ دے دی ہے۔ کتنے ہی احکامات اور نظریات جو دورِ صحابہ سے چلے آ رہے تھے، زمانے کے تغیر کا نام دے کر انھیں اپنے اجتہادی

ذوق اور اپنی عقلِ نارسا سے بدل کر رکھ دیا ہے۔ ہمارے خطے میں اس طبقے کا سرخیل 'جاوید احمد غامدی' ہے اور اس کے بہت سے متبعین اب صبح وشام اسی مسلک کی پیروی میں مصروف ہیں اور مسلمانوں میں گمراہی پھیلا رہے ہیں۔ افسوس ہے کہ ہمارے خطے میں موجود اہل السنۃ کے روایتی طبقات میں سے بھی بعض لوگ غامدی کے فرقے میں شامل ہو گئے ہیں۔

ان کے یہاں اسلامی اقتدار کا قیام اسلام میں مطلوب ہی نہیں ہے، اسی لیے اس کے نام پر ازخود کفار کے خلاف جنگ جائز نہیں۔ یہ مسلمانوں پر کفار کے عالمی نظام کے تحت زندگی گزارنا واجب قرار دیتے ہیں، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر اقوامِ متحدہ کا چارٹر انھیں رسول اللہ ﷺ کے خطبہ حجۃ الوداع میں دکھائی دیتا ہے۔ ان کے نظریات ٹھیک ٹھیک 'سیکولر اسلام' کی بنیادیں فراہم کرتے ہیں۔ یہی علمائے ضلالت ہیں اور ان کا ضرر مسلمانوں کے حق میں پہلے طبقے سے زیادہ ہے۔

۳۔ مسلم ممالک میں بہت سے علماء ایسے ہیں جن کا علم بھی معروف ہے، ان کی دین سے وابستگی اور دینی خدمات بھی مسلم اور ان کی زندگیاں صالحیت سے مزین ہیں۔ ان کی زندگیاں علمِ دین کے حاصل کرنے اور نشر کرنے میں گزری ہیں اور ان کا کردار شک سے بالاتر ہے۔ اس کے باوجود وہ مسلم ملکوں میں نفاذِ شریعت کے لیے مسلح جدوجہد کے مخالف ہیں، مسلم ملکوں کو اسلامی ریاستیں جانتے ہیں اور مجاہدین کے خلاف اپنے حکمرانوں کے اقدامات کی حمایت کرتے ہیں۔ طاغوتی حکومتیں اپنی حمایت میں ان حضرات کے دستخط سے 'متفقہ' فتاویٰ نشر کرتی ہیں یا بیانیے قلم بند کرواتی ہیں۔

یہ علمائے حق ہیں، جو اس موقف میں غلطی پر ہیں۔ یہ ان کی غلطی ہے اور زلۃ ہے۔ ان میں سے بعض تو جبر و دباؤ کی وجہ سے یہ موقف اختیار کرنے پر مجبور ہوتے ہیں اور کچھ ایسے ہیں جو اپنے اس موقف کے لیے شرعی دلیل بھی رکھتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ مسلح جدوجہد کی کامیابی کے امکانات کم ہیں، قدرت واستطاعت نہیں ہے یا ان کی نظر میں اس کے نتیجے میں زیادہ بڑا مفسدہ پیدا ہونے کا امکان ہوتا ہے یا وہ مجاہدین کی غلطیوں کے سبب خائف ہوتے ہیں یا موجودہ مغربی نظام کے اسلامیانے کی کوشش میں دلائل قائم کرتے ہیں۔

بلاشبہ ان میں سے کوئی بھی دلیل ٹھیک نہیں، اور یہ بڑی غلطی ہے جس میں یہ حضرات مبتلا ہیں۔ کہاں لادین حکمران، ان کی دین دشمنی اور لادین نظامِ ریاست اور کہاں نفاذِ شریعت کا پاکیزہ نعرہ اور اس کے لگانے والوں کی قربانیاں، ان میں سے کس کی تائید کی جائے، یہ مسئلہ بہت واضح اور دوٹوک ہے۔ لیکن اس غلطی کے باوجود انھیں علمائے سوء کے درجے میں داخل کرنا اس سے بھی بڑھ کر ناانصافی کی بات ہے اور ان کے ساتھ ویسا تعامل کرنا جیسا علمائے سوء کے ساتھ کیا جاتا ہے، ہرگز دین کی تعلیمات نہیں۔ ان کی نیتوں پر شک کرنا، انھیں لادین حکمرانوں کا آلہ کار سمجھنا، انھیں مجاہدین کا دشمن جاننا اور انھیں بے عزت کرنا، ان کی غیبت کرنا، یہ تمام افعال جائز نہیں۔ ان کی غلطی اپنی جگہ، اس غلطی پر علمائے حق کی طرف سے نکیر ضرور ہونی چاہیے، لیکن ان کا احترام واکرام مسلمانوں میں برقرار رہنا ضروری ہے، اور کوئی بھی ایسا رویہ اپنانا جس سے ان کا مقام معاشرے میں گر جائے اور ان کی دینی حیثیت ختم کر دی جائے، مناسب نہیں۔

ایسے حضرات سے متعلق یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ یہ اسلام اور اس کے غلبے سے مخلص ہیں اور مجاہدین سے بھی محبت کرتے ہیں۔ لیکن ان کے اجتہاد نے انھیں ایسا موقف اختیار کرنے پر مجبور کیا ہے۔

شیخ محمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

اس معاملے کی وضاحت کے لیے خطۂ برصغیر کی تاریخ کی ایک مثال دیکھی جاسکتی ہے۔ برصغیر پر برطانوی قبضے کے خلاف ایک مرکزی کوشش ۱۸۵۷ء کا جہادِ آزادی تھا۔ اس جہادِ آزادی میں ایک کوشش تھانہ بھون اور اس کے اطراف میں بھی کی گئی جس میں خطے کے بڑے بڑے حضرات نے جہاد میں شرکت کی، سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کی امارت میں دار العلوم دیوبند کے مؤسس حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر علماء حضرات نے عملی قتال کیا۔ اس وقت تھانہ بھون کے مفتی شیخ محمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے عدمِ قدرت کی دلیل کی بنیاد پر اس اقدام کی شدید مخالفت کی اور اس اقدام میں شرکت نہیں کی۔ یہ معاملہ بہت واضح تھا، کافرِ اصلی محارب کے خلاف جہاد تھا اور پورے برصغیر کے لیے ایک فیصلہ کن معرکہ تھا، لیکن شیخ محمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اس کے مخالف تھے۔ جب مشیتِ ایزدی سے مسلمانوں کو شکست ہوئی، تھانہ بھون کی پلٹون بھی ناکام ہوئی، حضرات دربدر ہوگئے تو انگریز شیخ محمد تھانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آئے اور ان کا شکریہ ادا کیا

کہ آپ نے ہمارے حق میں فتویٰ دیا۔ اس پر شیخ محمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ برہم ہو گئے اور کہا کہ مجھے شرعی مسئلہ ایسا سمجھ آیا تھا جو میں نے یہ موقف اختیار کیا، میں نے یہ فتویٰ تمہاری حمایت میں نہیں دیا۔

اس لیے ایسے فتاویٰ یقیناً غلط ہیں، لیکن وہ علماء جن کی زندگیاں دین سے وابستگی کی کھلی علامت ہیں، ان کے بارے میں حسنِ ظن رکھنا ضروری ہے اور ان کا احترام باقی رکھنا ناگزیر ہے۔ ہاں، علمائے کرام کا فرض بنتا ہے کہ ان کی غلطی خود ان پر بھی واضح کریں اور مسلمانوں میں بھی واضح کریں، تاکہ مسلمان اس غلطی میں ان کی اتباع نہ کریں۔

عام مسلمان کیا کریں؟

اس دور میں عام مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ دین سے وابستگی میں مضبوطی پیدا کریں۔ علمائے حق سے قربت اختیار کریں اور ان سے دین سیکھیں۔ ایسے علماء سے جڑیں جو اہلِ دنیا اور حکمرانوں سے دور رہتے ہوں اور ان کی زندگیاں للّٰہیت اور تقویٰ سے مزین ہوں، جو حق بات کہتے ہوئے کسی کی ملامت کی پرواہ نہ کرتے ہوں اور جو دنیا بھر میں کفار اور ان کے آلہ کاروں سے برسرِپیکار مجاہدین سے محبت کرتے ہوں۔ یہی وہ علماء ہیں جنھیں معاشرے میں مقام دینا اور ان کے گرد جمع ہونا لازم ہے۔ یہ آج بھی مسلم معاشروں میں علماء کی غالب اکثریت ہیں۔

اسی طرح وہ علماء جو اپنی زندگیوں میں صالحیت کا پیکر ہیں، لیکن مسلم ملکوں پر مسلط جمہوری نظام اور حکمرانوں کے عالمی معاہدات کو اسلامی جواز فراہم کر رہے ہیں یا حکمرانوں کے بعض اقدامات کی تائید کرتے ہیں، تو مسلمانوں کو چاہیے کہ ان کے سیاسی مواقف اور ایسے فتاویٰ جن کا تعلق دین میں سیاست و جہاد کے باب سے ہو، ان میں ان کی اتباع نہ کریں۔ البتہ باقی قرآن و حدیث کا علم اور فقہ کے وہ تمام ابواب جنھیں فقہائے امت نے ہم تک پہنچایا ہے، ان علماء سے ضرور حاصل کریں، ان سے محبت کریں اور ان کا احترام کریں۔ اور جس کے بس میں ہو، پورے احترام و اکرام کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان سے بات کرے اور ان کی غلطی سے انھیں آگاہ کرنے کی کوشش کرے۔

رہ گئے وہ حضرات جن کا روپ تو علماء کا ہے اور شہرت بھی علمِ دین سے ہے، لیکن ان کی زندگیاں دنیاداری سے مزین ہیں، انھیں دیکھ کر دنیا کی محبت دل میں بیٹھتی ہے، وہ دین میں جدت لانے کے علمبردار ہیں، حکمرانوں سے قربت رکھتے ہیں، ان سے محبت کا اظہار کرتے ہیں۔ ان سے عام مسلمان اپنی جان بچائیں اور ان کے علمِ دین کو غیر معتبر سمجھیں۔

پھر جو مزید آگے بڑھتے ہوئے حکمرانوں کے ہر حرام کام میں بھی ان کی تائید کریں، ان کے گُن گائیں اور مجاہدین کے خلاف حکمرانوں سے بھی آگے صف میں نظر آئیں تو جان لیں کہ یہی وہ لوگ ہیں جو جہنم کا اولین ایندھن ہوں گے اور جن پر جہنم بھڑکائی جائے گی۔ ان سے مسلمان ایسے بچیں جیسے آگ سے بچا جاتا ہے۔ یہ اپنے لیے تو آخرت کا خسارہ تیار کر ہی رہے ہیں، جو ان کی باتوں میں آگیا تو وہ بھی خسارے سے نہیں بچے گا۔ ہر مسلمان نہ ان کی ظاہری حالت سے دھوکہ کھائے، نہ ان کی چکنی باتوں سے متاثر ہو اور نہ ہی ان کی خوش خلقی سے فریب زدہ ہو۔ یہ دینِ اسلام کے دشمن ہیں، لہٰذا انھیں دشمن سمجھا جائے۔

علمائے حق کا منصب و کردار

آخر میں ان علمائے حق سے بھی دو گزارشات ہیں جو مسلم ملکوں پر مسلط بے دین حکمرانوں کی مخالفت میں نہیں کھڑے اور اپنے اجتہاد سے مغربی نظامِ ریاست و حکومت میں دینِ اسلام کا پیوند لگانے کی کوشش کر رہے ہیں۔

علماء کو عزیمت پر عمل کرنا چاہیے

اسلام کے ماننے والوں میں سب سے بڑی ذمہ داری کا بوجھ اٹھانے والے علماء ہیں۔ وہ بوجھ جسے زمین و آسمان اور پہاڑ تک اٹھانے سے معذور تھے، اسے انسان نے اٹھایا اور ان انسانوں میں سے بھی سب سے زیادہ ذمہ داری علماء کے کندھوں پر عائد ہوئی۔ علماء ہی انبیاء کے وارث ٹھہرے، انبیاء کے مشن کو بڑھانے کی بنیادی ذمہ داری بھی انھی کو سپرد ہوئی۔ عام مسلمانوں کے دین کی ذمہ داری بھی علماء ہی کے سر پڑی۔ علماء حق پر ہوئے تو مسلمان حق پر ہوئے اور علماء غلط ہوئے تو مسلمان غلط ہوئے۔

خلقِ قرآن کے فتنے میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے جب امام مروزی رحمۃ اللہ علیہ نے قید خانے میں کہا: 'اپنے حال پر رحم کھاؤ اور اپنے ہاتھ سے خود کو مت ہلاکت میں ڈالو'۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے کہا کہ 'قید خانے سے باہر جاکر دیکھو اور پھر مجھے بتاؤ کہ کیا دیکھا'۔ وہ باہر جاتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ ہزاروں لوگ قلم دوات لے کر موجود ہیں۔ امام مروزی رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے پوچھا کہ 'کیوں آئے ہو؟' تو وہ لوگ کہنے لگے کہ 'جاننے آئے ہیں کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا جواب کیا ہے'۔ امام مروزی رحمۃ اللہ علیہ نے واپس آکر امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کو ماجرا بیان کیا۔ اس پر امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

لأن أموت أحب إلي من أغش هؤلاء.

"مجھے مرنا عزیز ہے، اس کی نسبت کہ میں ان مسلمانوں سے دھوکہ کروں"۔[82]

اسی طرح کی بات خود امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کو امام ابو جعفر انباری رحمۃ اللہ علیہ نے اس وقت کہی تھی جب وہ بیڑیوں میں جکڑے ہوئے مامون کی طرف روانہ تھے اور فرات کے ساحل پر تھے:

يا هذا، أنت اليوم رأس، والناس يقتدون بك، فو الله لئن أجبت إلى خلق القرآن، ليجيبن خلق، وإن أنت لم تجب، ليمتنعن خلق من الناس كثير، ومع هذا فإن الرجل إن لم يقتلك فإنك تموت، لابد من الموت، فاتق الله ولا تجب.

"اے احمد! آپ آج لوگوں کے رہنما ہیں اور لوگ آپ کی اقتدا کرتے ہیں۔ اللہ کی قسم! اگر آپ نے خلقِ قرآن کی گمراہی کو تسلیم کر لیا تو تمام لوگ اس گمراہی کو تسلیم کر لیں گے اور اگر آپ نے نہ مانا تو آپ کی بدولت بہت سے انسان گمراہی سے بچ جائیں گے۔ اور اس کے ساتھ اگر اس شخص [مامون] نے آپ کو قتل نہ بھی کیا تو ایک دن تو آپ نے مرنا ہے کہ موت لازمی ہے۔ پس آپ اللہ سے ڈریں اور اس گمراہی کو تسلیم نہ کریں"۔

[82] في ظلال سورة التوبة

یہ سن کر امام احمد رحمۃ اللہ علیہ رو پڑے۔ کہنے لگے: ماشاء اللہ۔ پھر کہنے لگے کہ دوبارہ مجھے نصیحت کرو۔ امام ابو جعفر رحمۃ اللہ علیہ نے دوبارہ کہا۔ پھر فرمانے لگے: ماشاء اللہ۔[83]

پھر یہی ہوا کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سالوں کی قید اور کوڑوں کی بہتات میں ڈٹے رہے، مگر رخصت پر عمل نہ کیا، باطل کو تسلیم نہیں کیا، حق بات کہتے رہے۔ آپ کو قید خانے میں جب کہا جاتا کہ 'تقیہ' کرلیں تو آپ سیدنا خباب رضی اللہ عنہ کی حدیث یاد کرتے کہ پچھلی امتوں میں اہلِ حق کو آروں سے چیر دیا گیا، لوہے کی کنگھیوں سے نوچ دیا گیا مگر وہ حق پر ڈٹے رہے۔

پس یہ آپ ہی کا امت پر احسان ہے کہ آپ کے ڈٹنے سے امت اتنی بڑی گمراہی سے بچ گئی۔ عراق کے شہید عالم عبد العزیز بدری رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب 'الإسلام بین العلماء والحکام' میں لکھتے ہیں:

فحق على العلماء الرجال أن يثبتوا في المحن ويجهروا بالحق ليحفظوا على الناس دينهم ويأمن الإسلام شر الطعن به وتكون محنهم طريقا إلى نشره وسبيل العض عليه بالنواجذ.[84]

"علمائے ابطال پر لازم ہے کہ وہ آزمائش میں ڈٹ جائیں اور حق کو کھلم کھلا بیان کریں تاکہ لوگوں کا دین محفوظ ہو جائے اور اسلام مطعون ہونے سے بچ جائے، اور ان علماء کی آزمائش سے حق کا بول بالا ہو اور لوگ اس سے مضبوطی سے چمٹ جائیں"۔

یہ ایک امام احمد رحمۃ اللہ علیہ ہیں، جبکہ ان سے قبل اور بعد بھی ائمہ دین کی ایک جماعت ہے جنھوں نے دین کی حفاظت میں ہر ستم کو گلے لگایا اور ڈٹ گئے۔ امام اعظم ابو حنیفہ □ سے لے کر امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ تک اور شاہ عبد العزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے لے کر آج تک یہ سلسلہ جاری ہے۔ اگر یہ علماء وائمہ اپنے دور کے حکمرانوں کے باطل کے مقابلے میں حق پر ڈٹے اور ان حکمرانوں کے ظلم و ستم کے مقابلے میں کھڑے ہوئے جن کا ظلم و ستم محدود تھا اور جو خلفائے اسلام کے درجے میں آتے ہیں، تو آج کے حکمران... جن کا دینِ اسلام کے ساتھ محض نام کا تعلق باقی ہے، وگرنہ وہ دین کا قلادہ گلے سے اتارے ہوئے ہیں... اگر کوئی عالم ان کے ہاتھ سے محفوظ ہے،

---

83 الإسلام بين العلماء والحكام، ص ١٦٤، سير أعلام النبلاء؛ ج ١١، ص ٢٣٩

84 الإسلام بين العلماء والحكام؛ ص ١٦٣

بلکہ یہ حکمران اگر کسی عالم سے مطمئن ہیں تو خطرے کی گھڑی ہے کہ ایسا عالم اسلاف واکابر کی پیروی اور علمِ دین کے منصب سے کوتاہی کر رہا ہے اور علمِ دین کی بڑی امانت کا حق ادا نہیں کر رہا۔

یہ علمِ دین کا تقاضا ہے کہ اس کے حاملین حق بات کہنے میں ہر قسم کے جبر و تشدد سے بے پرواہ ہو جائیں اور اس دین کی حفاظت کے لیے ہر قسم کی آزمائش برداشت کریں، چاہے جانوں سے ہاتھ دھونا پڑے، قید کر دیے جائیں یا بے گھر کر دیے جائیں۔

اس موضوع پر قرآن وحدیث کی ہر سطر تحت اللفظ میں دلالت کرتی ہے، لیکن کیا یہ صریح حدیث ہمیں خبردار کرنے کے لیے کافی نہیں جسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ألا لا يمنعن رجلا هيبة الناس أن يقول بحق إذا علمه.[85]

"خبردار! تم میں سے کسی شخص کو لوگوں کی ہیبت اس بات پر مجبور نہ کر دے کہ وہ حق کا علم رکھنے کے باوجود حق بیان نہ کرے"۔

پس علمائے کرام سے گزارش ہے کہ اپنی ذمہ داری کا احساس کیجیے۔ دنیا کی سختی چند روزہ ہے، موت ایک دن ضرور آنی ہے، پھر اس سے ڈر کر کیوں حق بات کو چھپایا جائے اور حق بیان نہ کیا جائے۔ بالخصوص جبکہ مسئلہ غلبۂ دین کا ہے اور مقابلہ غلبۂ کفر سے ہے۔ ایسے میں کیا ذمہ داری مزید کئی گنا بڑھ نہیں جاتی؟

وہ لوگ جن سے ہم نے علم حاصل کیا ہے اور جن سے ہماری نسبت ہے، کیا انھوں نے حق کے بیان میں کوئی کمی کی، کیا دربدری اور قید وبند سے وہ نہیں گزرے۔ کیا شاملی کے میدان، مالٹا اور کالا پانی کے قید خانوں کو بھلایا جا سکتا ہے؟

[85] سنن الترمذي؛ ج ۴، ص ۵۸ [أبواب الفتن؛ باب ما جاء ما أخبر النبي صلى الله عليه وسلم أصحابه بما هو كائن إلى يوم القيامة]

پس ضرورت اس امر کی ہے کہ علمائے کرام عزیمت کی راہ پر عمل کریں اور مسلمانوں کو گمراہی سے بچانے کے لیے، دین کو غالب کرنے کے لیے حق بات بیان کریں اور پھر اس پر ڈٹ جائیں۔ اسی کے نتیجے میں مسلمان بھی حق پر ڈٹ جائیں گے اور اسی کی بدولت اسلام غالب ہو گا، ان شاء اللہ۔

غلطی سے رجوع کرنا لازم ہے

دوسری بات یہ ہے کہ جو علمائے کرام آج مجاہدین کو دہشت گرد سمجھ رہے ہیں، حکمرانوں کے بعض فیصلوں میں چاروناچار مؤید ہیں اور مسلم ملکوں پر مسلط مغربی نظامِ ریاست کی گنجائش سمجھتے ہیں، انھیں چاہیے کہ وہ اپنے مواقف اور فتاویٰ پر غور کریں، اپنے دلائل پر نگاہ ڈالیں اور پھر اپنے فتاویٰ کے عواقب پر بھی نظر ڈالیں۔ پھر جو علماء اس معاملے میں کفارِ عالم کے سرداروں کے مقابلے میں کھڑے ہیں، عالمی نظامِ کفر کی سطوت کے خلاف ہیں اور ان کے آلہ کاروں کے مقابل کھڑے ہیں، ان کے دلائل دیکھیں۔ پھر جدید دور کے تقاضوں کا اسلاف کے طرزِ عمل اور طریقِ اجتہاد سے موازنہ کریں۔ ہمیں یقین ہے کہ اس معاملے میں جس غلطی میں وہ مبتلا ہیں، انھیں اس کا احساس ہو جائے گا، اور جب احساس ہو جائے تو حق کی طرف رجوع اور حق کا بیان کرنا لازم ہے۔

ایسا نہ ہو کہ کسی عالم کو اس کا مقام و مرتبہ اور اس کی شہرت و عزت حق کی طرف رجوع سے روک دے، اور شیطان اسے لوگوں کے سامنے سبکی سے ڈرا دے۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو لکھا تھا جبکہ وہ آپ کی طرف سے شام کے والی تھے:

ولا يمنعك قضاء قضيته بالأمس راجعت فيه نفسك وهديت لرشدك أن تراجع الحق فإن الحق قديم ومراجعة الحق خير من التمادي في الباطل.[86]

”تم نے کل ایک فیصلہ کیا اور پھر آج تم نے اپنے جی میں اپنی غلطی بھانپ لی اور صحیح فیصلہ جان لیا تو ایسا نہ ہو کہ کل کا فیصلہ تمھیں حق کی طرف رجوع سے روک دے (کہ اس میں سبکی ہے)، کیونکہ حق قدیم

[86] مسند الفاروق؛ ج ٢، ص ٥٤٦ [أثر في صفة القضاء]

ہے اور حق کی طرف رجوع کرلینا باطل پر ڈٹ جانے سے بہتر ہے"۔

امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ 'المبسوط' میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اس کلام کے تحت لکھتے ہیں:

وليس هذا في القاضي خاصة بل هو في كل من يبين لغيره شيئا من أمور الدين الواعظ والمفتي والقاضي في ذلك سواء إذا تبين له أنه زل فليُظهر رجوعه عن ذلك، فزلة العالم سبب لفتنة الناس... وقوله: الحق قديم؛ يعنى هو الأصل المطلوب، ولأنه لا تنكتم زلة من زل، بل تظهر لا محالة فإذا كان هو الذي يُظهره على نفسه كان أحسن حالاً عند العقلاء، من أن تَظهر ذلك عليه مع إصراره على الباطل.[87]

"یہ بات صرف قاضی کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ یہ قاضی، مفتی، واعظ اور ہر اس شخص کو شامل ہے جو دوسرے کو دین کی کوئی بات بتائے۔ پھر جب اس پر واضح ہو جائے کہ اس سے غلطی ہوئی ہے تو اسے چاہیے کہ وہ ضرور اپنے رجوع کرنے کو ظاہر کرے، کیونکہ عالم کی غلطی کی بدولت دوسرے لوگ گمراہی میں پڑ جاتے ہیں۔ سیدنا عمر□ کا یہ کہنا کہ حق قدیم ہے، اس کا مطلب ہے کہ وہی مقصودِ اصلی ہے۔ پھر غلطی کرنے والے کی غلطی پوشیدہ نہیں رہتی، بلکہ ہر حال میں ظاہر ہو جاتی ہے۔ ایسے میں اگر غلطی کرنے والا خود اپنے اوپر اس غلطی کو تسلیم کرلے تو یہ اہلِ دانش کے نزدیک بہتر بات ہے، بجائے اس بات کے کہ دوسروں پر اس کی غلطی ظاہر ہو جائے اور وہ خود باطل ہی پر مُصِر ہو"۔

احناف کے کبار ائمہ میں سے ایک امام ابو بکر خصاف رحمۃ اللہ علیہ ہیں، وہ بہت زاہد و متقی تھے۔ امام ابو سہل محمد بن عمر رحمۃ اللہ علیہ بلخ کے ایک عالم سے روایت کرتے ہیں کہ 'وہ ایک دن بغداد میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ ایک شخص پل پر کھڑے ہو کر عام منادی کر رہا ہے: سنو سنو! قاضی خصاف سے فلاں مسئلہ پوچھا گیا تھا تو انھوں نے

[87] المبسوط؛ ج ١٦، ص ٦٢ [كتاب آداب القاضي]

ایسا ایسا جواب دیا اور یہ غلط تھا۔ جواب ایسے اور ایسے ہے۔ اللہ اس پر رحم فرمائیں جو مستفتی تک یہ بات پہنچا دے‘۔[88]

سبحان اللہ! وقت کے بڑے قاضی اور امام کے تقویٰ کا یہ عالم ہے کہ وہ اپنے غلط فتویٰ سے رجوع کے لیے عام منادی کروا رہا ہے اور سرِ عام اپنی غلطی کو واضح کر رہا ہے۔ یہ ہے علمائے حق کا اسوہ، کہ وہ اپنے فتاویٰ میں کتنے محتاط ہوتے ہیں، غلطی سے بچنے کے لیے کس قدر اپنا محاسبہ کرنے والے ہوتے ہیں اور جب غلطی کا ادراک ہو جائے تو کسی پرواہ کے بغیر اس غلطی کا اظہار کرنے والے ہوتے ہیں۔ علامہ تقی الدین تمیمی رحمۃ اللہ علیہ اس واقعے کے تحت ’الطبقات السنیۃ‘ میں لکھتے ہیں:

هكذا ينبغي أن يكون العلماء، وهكذا يجب أن يكون التحفظ في دين الله، والنصيحة لعباد الله، لا كعلماء زماننا الذين ليس لهم غرض إلا التفاخر بالعلم، والتكبر به، وإظهار القوة والغلبة، فلا يبالي أحدهم إذا كان مستظهراً في البحث على خصمه، أن يكون على الحق أو على الباطل، نعوذ بالله من شرور أنفسنا وسيئات أعمالنا، ولا حول ولا قوة إلا بالله العلي العظيم.[89]

”علماء کو ایسا ہی ہونا چاہیے۔ اور ایسے ہی دین کی حفاظت کرنا اور انسانوں کے ساتھ خیر خواہی کرنا واجب ہے۔ نہ کہ جیسا رویہ ہمارے زمانے کے علماء کا ہے، جنھیں علمِ دین سے مقصود فخر و تکبر اور دوسروں پر بڑائی جتانا ہے، اور اپنے مقابل پر حاوی ہونے کے لیے ان میں سے کسی کو پرواہ نہیں ہوتی کہ وہ حق پر ہے یا باطل پر۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے نفسوں کے شر اور اپنے برے اعمال سے اپنی پناہ میں رکھیں، ولا حول ولا قوۃ اِلا باللہ العلي العظیم“۔

پس علمائے حق سے گزارش ہے کہ ان کے ایسے فتاویٰ جن سے نظامِ کفر کی تقویت ہو رہی ہے، اہلِ دین کی ذلت ہو رہی ہے، بے دین حکمرانوں کی تائید ہو رہی ہے جس کے نتیجے میں یہ بے دین حکمران اور بے دین

---

[88] كتاب شرح أدب القاضي؛ ج ۱، ص ۱۴۔ اس کتاب کے مقدمے میں محقق نے صاحبِ کتاب ادب القاضي ’امام ابو بکر خصاف‘□ کا یہ واقعہ احناف کی کتبِ تراجم سے نقل کیا ہے۔

[89] حوالہ سابق

افواج مسلمانانِ امت کا ناحق خون بہا رہی ہیں، ان کے مال واسباب لوٹ رہی ہیں، دین سے چمٹنے والے مردوں عورتوں کو پابندِ سلاسل کر رہی ہیں، طرح طرح کی تعذیب کا نشانہ بنا رہی ہیں، دین سے محبت رکھنے والے نوجوانوں کو ماورائے عدالت قتل کر رہی ہیں، گستاخانِ رسول ﷺ کا دفاع کر رہی ہیں اور عاشقانِ رسول ﷺ کی گردنیں کاٹ رہی ہیں۔

کیا ان لوگوں کی مخالفت، ان کا فسق وفجور اور ان کا کفر وارتداد مسلمانوں میں واضح کرنا فرض ہے یا اس قسم کا اجتہاد جس سے ان کی قوت میں اضافہ ہو اور ان کے مقابلے میں اہلِ دین پر عرصہ حیات تنگ ہو رہا ہو، اور دہشت گردی کے نام پر اہلِ دین کی قوت کمزور ہو رہیہو اور غلبۂ اسلام کی مبارک جدوجہد کو نقصان ہو رہا ہو۔ کیا ایسے فتاویٰ کا فائدہ سب کا سب اہلِ کفر اور ان کے حاشیہ برداروں کے حق میں نہیں ہو رہا؟ کیا ایسے فتاویٰ ہی قرآن وسنت سے مطابقت رکھنے والے اور فقہ اسلامی سے ماخوذ ہو سکتے ہیں؟

یہ ایک پہلو ہے، دوسرا پہلو یہ ہے کہ اب اجتہاد کے نتیجے میں جب موجودہ مغربی نظامِ ریاست اور عالمی نظامِ کفر کے معاہدات اور دساتیر کو تسلیم کر لیا جائے، تو سوچنے کی بات ہے کہ دینِ اسلام نے چودہ صدیوں قبل جو نظامِ زندگی نافذ ورائج کیا تھا اور جس کی بنا خود پیغمبرِ اسلام ﷺ اور آپ کے خلفائے راشدین □ نے رکھی تھی اور جس کی اتباع ہم پر قرآن وسنت واجماع سے واجب ہے، کیا وہ ایسا تھا؟ کیا ایسی اقدار وہاں رائج تھیں جو آج کے نظامِ ریاست میں رائج ہیں؟ کیا وہاں ایسے قوانین نافذ تھے جو آج نافذ ہیں؟ کیا ایسی اخلاقیات عام کی گئی تھیں جیسی آج کے معاشروں میں ان نظاموں اور حکومتوں کے زور پر رائج کی جا رہی ہیں؟ یقیناً اس سب کا جواب نفی میں ہے، تو پھر وہ فتاویٰ... جن سے یہ سب کچھ اسلامی ثابت ہو رہا ہے... کیا صحیح ہو سکتے ہیں؟

یہ باتیں محض توجہ دلانے کے لیے لکھ دی ہیں، وگرنہ ان تمام مسائل میں دلائل وبراہین علمائے حق کی کتابوں اور فتاویٰ میں وافر موجود ہیں، جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اس سب کی تائید اور اس سب کے چلانے والوں کی تائید باطل ہے۔ پس ان کبار علماء سے گزارش ہے جن کے فتاویٰ سیاست کے باب میں اسی نوعیت کے ہیں، کہ وہ اپنے فتاویٰ پر دوبارہ نظر ڈالیں، اپنی غلطی تلاش کریں اور پھر بیانِ حق کے لیے مسلمانوں میں اپنا

رجوع ظاہر کریں، تاکہ مسلمانوں پر حق و باطل واضح ہو جائے اور وہ علماء کے اس اختلاف کے سبب گمراہی میں پڑنے سے بچ جائیں۔

یہاں ہم اپنی تحریر ختم کرتے ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم میں سے ہر ایک کو حق کی طرف رہنمائی فرمائیں، علمائے امت کے احترام واکرام کا حق ادا کرنے والا بنائیں، ان کے حق میں کوتاہی سے بچائیں، ان کی اتباع میں باطل قوتوں کے مقابلے میں یک جان اور ایک قوت بنائیں، علمائے سوء کے شر سے پوری امت اور تمام مسلمانوں کو محفوظ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ حق کا بول بالا فرمائیں، باطل کی قوتوں اور باطل نظریات اور نظاموں کو ملیا میٹ فرمائیں، اور ہمیں دنیا وآخرت میں سرخرو فرمائیں، آمین۔

اللهم رب جبريل وميكائيل وإسرافيل فاطر السموات والأرض عالم الغيب والشهادة أنت تحكم بين عبادك فيما كانوا فيه يختلفون اهدنا لما اختلف فيه من الحق بإذنك إنك تهدي من تشاء إلى صراط مستقيم.

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين, وصلى الله تعالى على نبينا محمد وعلى آله وصحبه وأتباعه أجمعين إلى يوم الدين.

مراجع ومصادر

1. تفسير القرآن العظيم للإمام الحافظ أبي الفداء ابن كثير، بتحقيق سامي بن محمد السلامة، دار طيبة، الرياض، المملكة السعودية، طبعة ١٤٢٠هـ-١٩٩٩ء
2. أحكام القرآن للإمام أبي بكر الجصاص، بتحقيق محمد الصادق قمحاوي، دار إحياء التراث العربي، بيروت لبنان
3. صحيح البخاري؛ دار ابن كثير، دمشق بيروت
4. صحيح مسلم، باعتناء أبي قتيبه نظر محمد الفاريابي، دار طيبة، الرياض، المملكة السعودية
5. سنن أبي داود، بتحقيق شعيب الأرنؤوط ومحمد كامل قره بللي، دار الرسالة العالمية، دمشق
6. سنن الترمذي، بتحقيق بشار عواد معروف، دار الغرب الإسلامي، بيروت، طبعة ١٩٩٨ء
7. سنن ابن ماجه، بتحقيق شعيب الأرنؤوط، دار الرسالة العالمية، دمشق، الطبعة ١٤٣٠هـ-٢٠٠٩ء
8. مسند الإمام أبي حنيفة للإمام أبي نعيم أحمد بن عبد الله الأصبهاني، بتحقيق نظر محمد الفاريابي، مكتبة الكوثر، الرياض، الطبعة ١٤١٥هـ- ١٩٩٤ء
9. مسند أحمد بن حنبل، بتحقيق شعيب الأرنؤوط وآخرون، مؤسسة الرسالة، بيروت لبنان
10. سنن الدارمي، بتحقيق حسين سليم أسد الداراني، دار المغني للنشر والتوزيع، المملكة العربية السعودية
11. مشكاة المصابيح للإمام الخطيب التبريزي، بتحقيق الشيخ محمد ناصر الدين الألباني، المكتب الإسلامي، دمشق وبيروت

12. المستدرك على الصحيحين في الحديث للإمام الحافظ أبي عبد الله محمد بن عبد الله الحاكم، مجلس دائرة المعارف النظامية، حيدر آباد الدكن، الهند

13. مسند الفاروق للإمام الحافظ أبي الفداء ابن كثير، بتحقيق عبد المعطي قلعجي، دار الوفاء، المنصورة مصر، طبعة ١٤١١هـ-١٩٩١ء

14. مجمع الزوائد ومنبع الفوائد للإمام الحافظ نور الدين على بن أبي بكر الهيثمي، بتحقيق حسين سليم أسد الداراني، دار المأمون للتراث، دمشق بيروت

15. رياض الصالحين للإمام أبي زكريايحيى بن شرف النووي، بتحقيق عبد العزيز رباح وأحمد يوسف الدقاق، دار المأمون للتراث، دمشق

16. جامع بيان العلم وفضله للإمام الحافظ أبي عمر يوسف بن عبد البر، بتحقيق أبي الأشبال الزهيري، دار ابن جوزي، المملكة العربية السعودية، طبعة ١٤١٤هـ-١٩٩٤ء

17. إطراف المسند المعتلي بأطراف المسند الحنبلي للإمام الحافظ أحمد بن حجر العسقلاني، بتحقيق زهير بن ناصر الناصر، دار ابن كثير، دمشق بيروت

18. فيض القدير شرح الجامع الصغير للعلامة المحدث محمد عبد الرؤوف المناوي، دار المعرفة، بيروت لبنان، طبعة ١٣٩١هـ-١٩٧٢ء

19. التيسير بشرح الجامع الصغير للإمام عبد الرؤوف المناوي، دار الطباعة العامرة ببولاق مصر، الطبعة ١٢٨٦هـ

20. مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح للعلامة علي بن سلطان محمد القاري، بتحقيق صدقي محمد جميل العطار، دار الفكر، بيروت لبنان، طبعة ١٤١٤هـ-١٩٩٤ء

21. شرح رياض الصالحين للشيخ محمد بن صالح العثيمين، مدار الوطن للنشر، الرياض، الطبعة ١٤٢٥هـ

22. سير أعلام النبلاء للإمام شمس الدين محمد بن أحمد بن عثمان الذهبي، بتحقيق شعيب الأرنؤوط وأصحابه، مؤسسة الرسالة، بيروت، طبعة ١٤٠٢هـ- ١٩٨٢ء

23. الإصابة في تمييز الصحابة للإمام الحافظ أحمد بن حجر العسقلاني، بتحقيق عبد الله بن عبد المحسن التركي، مركز هجر للبحوث والدراسات العربية والإسلامية

24. تبيين كذب المفتري فيما نسب إلى الإمام أبي الحسن الأشعري للإمام الحافظ أبي القاسم على بن الحسن ابن عساكر، بتحقيق القدسي، مطبعة التوفيق بدمشق، ١٣٤٧هـ

25. الموافقات في أصول الشريعة للإمام أبي اسحاق الشاطبي، بشرح الشيخ عبد الله دراز، مطبعة المكتبة التجارية بمصر

26. المستصفى من علم الأصول للإمام حجة الإسلام أبي حامد الغزالي، بتحقيق محمد سليمان الأشقر، مؤسسة الرسالة، بيروت، طبعة ١٤١٧هـ-١٩٩٧ء

27. إعلام الموقعين عن رب العالمين للإمام أبي عبد الله محمد بن أبي بكر ابن قيم الجوزية، بتحقيق أبي عبيدة مشهور بن حسن آل سلمان، دار ابن الجوزي، المملكة العربية السعودية، طبعة ١٤٢٣هـ

28. الإحكام في أصول الأحكام للإمام سيف الدين علي بن محمد الآمدي، بتحقيق الشيخ عبد الرزاق عفيفي، دار الصميعي، الرياض، طبعة ١٤٢٤هـ-٢٠٠٣ء

29. تيسير التحرير للعلامة محمد أمين المعروف بأمير بادشاه، مطبعة مصطفى البابي الحلبي بمصر، طبعة ١٣٥١هـ

30. شرح التلويح على التوضيح للإمام سعد الدين مسعود بن عمر التفتازاني، بتحقيق زكريا عميرات، دار الكتب العلمية، بيروت لبنان

31. آداب الفتوى والمفتي والمستفتي للإمام أبي زكريايحيى بن شرف النووي، بتحقيق بسام عبد الوهاب الجابي، دار الفكر، دمشق، طبعة ١٤٠٨-١٩٨٨ء

32. المبسوط للإمام شمس الدين أبي بكر السرخسي، دار المعرفة، بيروت لبنان، طبعة ١٤٠٩هـ-١٩٨٩ء

33. الفتاوى الكبرى للإمام تقي الدين ابن تيمية، بتحقيق محمد عبد القادر عطا، دار الكتب العلمية، بيروت لبنان، طبعة ١٤٠٨هـ-١٩٨٧ء

34. مجموع الفتاوى لشيخ الإسلام تقي الدين أحمد بن تيمية الحراني، بتحقيق عامر الجزار وأنور الباز، دار الوفاء، المنصورة مصر، طبعة ١٤٢٦هـ-٢٠٠٥ء

35. كتاب شرح أدب القاضي للإمام الصدر الشهيد، بتحقيق محيي هلال السرحان، مطبعة الارشاد، بغداد، طبعة ١٣٩٧هـ-١٩٧٧ء

36. رد المحتار على الدر المختار للعلامة محمد أمين الشهير بابن عابدين الشامي، بتحقيق عادل أحمد عبد الموجود وعلي محمد معوض، دار عالم الكتب، الرياض، طبعة ١٤٢٣هـ-٢٠٠٣ء

37. احياء علوم الدين للإمام حجة الإسلام أبي حامد الغزالي، دار الشعب، القاهرة مصر
38. الآداب الشرعية للإمام عبد الله محمد بن مفلح المقدسي، بتحقيق شعيب الأرنؤوط، مؤسسة الرسالة، بيروت، طبعة ١٤١٩هـ-١٩٩٩ء
39. الاعتصام للإمام أبي إسحاق إبراهيم بن موسى الشاطبي، بتحقيق أبي عبيدة مشهور بن حسن آل سلمان، مكتبة التوحيد
40. الإسلام بين العلماء والحكام للشيخ عبد العزيز البدري، المكتبة العلمية، المدينة المنورة
41. قواعد في التعامل مع العلماء للشيخ عبد الرحمن بن معلا اللويحق، دار الوراق، المملكة العربية السعودية، طبعة ١٤١٥هـ-١٩٩٤ء
42. في ظلال سورة التوبة للإمام الشيخ عبد الله عزام، مركز الشهيد عزام الإعلامي، بيشاور باكستان
43. لقاء الشيخ عطية الله مع منتدى الحسبة، دار الجبهة للنشر والتوزيع، طبعة جمادى اولیٰ ١٤٢٨هـ
44. توجيهات عامة للعمل الجهادي للشيخ أيمن الظواهري، مؤسسة السحاب، طبعة ١٤٣٤هـ

علماء سے متعلق طرزِ تعامل

اعتدال کی راہ

آج کے دورِ فتن میں جہاں تمام مسلمانوں میں کوتاہی اور نقص پیدا ہوا ہے، وہاں طبقۂ علماء بھی متاثر ہوا ہے۔ جس امت میں غلط روی در آئی ہے، وہاں علماء بھی اسی امت کا حصہ ہیں، وہ بھی اس کا شکار ہوئے ہیں۔ اس وقت مسلمانوں کا سب سے بڑا مسئلہ اور اسلام کو درپیش سب سے بڑا چیلنج عالمی مغربی طاقتوں کی سیاسی وفکری یلغار ہے، ان کے آلہ کاروں کا مسلمانوں پر مسلط ہونا ہے اور ان کے نظامِ حکومت کا مسلمانوں پر حاکم ہونا ہے۔ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ مسلمانوں کے علماء میں سے بہت سے ایسے ہیں جو اس یلغار کے مقابلے سے عاجز ہیں، جبکہ ان کا فرض تھا کہ وہ اس کے بالمقابل کھڑے ہوتے اور مسلمانوں کا دفاع کرتے۔ ہر مسلم ملک میں سیکولر حکمرانوں، افواج اور سیکولر نظامِ حکومت کے حق میں متفقہ فتاوی اور بیانیے جاری کیے جا رہے ہیں اور اس ملک کے سربرآوردہ علماء کے دستخط لیے جا رہے ہیں۔ یہ صورتحال ہر دردِ دل رکھنے والے مسلمان کے لیے ناقابلِ برداشت ہے۔ تاہم اس کا مطلب یہ نہیں کہ کسی مسلمان کو روا ہے کہ وہ بلاتفریق پورے طبقۂ علماء کے خلاف صف بستہ ہو جائے اور کسی قسم کے آداب اور حدود کا پاس ولحاظ نہ رکھے۔

ان دنوں سوشل میڈیا پر جس طرح علماء کے لطیفے بنائے جا رہے ہیں، مذاق اڑایا جا رہا ہے، دینی شخصیات کو موضوعِ بحث بنایا جا رہا ہے، یہ دوسری 'انتہا' ہے۔ سوشل میڈیا کے اسی 'ٹرینڈ' کی وجہ سے یہ تحریر لکھی گئی ہے۔

ادارۂ حطّین